Sheher-e-Zaat
by Umera Ahmed

scanned by Farhan_g
posted for hallagulla.com

Pdf By:-
M Jawad Ali
attari511@hotmail.com
+971-50-2737867

عمیرہ احمد

شہرِ ذات

"خدا کا خوف کرو فلک! اتنی دیر میں لوگ چاند پر جا کر واپس آجاتے ہیں جتنی دیر میں تم صرف اپنی آنکھوں کا میک اپ کر رہی ہو۔ میں تمہیں ایک بار پھر یقین دلاتی ہوں وہاں سلمان النصر کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے اتنے ہتھیاروں سے لیس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

رشنا کی بیزاری اب اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور وہ سیدھا سیدھا طنز کرنے پر اتر آئی تھی۔ مگر اس کی کسی بات کا فلک پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسی سکون اور اطمینان سے اپنی پلکوں پر مسکارا کی ایک اور کوٹنگ کرتی رہی۔

"تم جاؤ فلک! اٹھ جاؤ ہم کنسرٹ پر جا رہے ہیں کسی فیشن شو میں نہیں اب بس کرو۔" اس کی خاموشی نے رشنا کو کچھ اور تپایا تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر اس کے سامنے پڑی میک اپ کٹ کو اٹھا کر بند کر دیا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے یار! چند منٹ انتظار نہیں کر سکتیں؟" فلک نے اس کے ہاتھ سے میک اپ کٹ چھینتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے قطعاً" کوئی تکلیف نہیں ہے مگر یار جتنی جانفشانی سے تم میک اپ میں مصروف ہو اس سے تمہیں ضرور کوئی تکلیف ہو جائے گی۔"

فلک اس کی بات کا جواب دیے بغیر ایک بار پھر مسکارا لگانے میں مصروف ہو گئی۔ رشنا ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھ کر ہلکی سی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی فلک اپنے چہرے پر جمی اس کی آنکھوں کو نظرانداز کرتے ہوئے میک اپ میں مصروف رہی۔

"فلک! تمہیں آخر میک اپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تمہیں تو خدا نے پہلے ہی بہت مکمل بنایا ہے۔ میک اپ کی ضرورت تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جن میں کوئی خامی کوئی کمی رہ گئی ہو۔ تم میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" چند لمحے اس کے چہرے پر نظر جمائے رکھنے کے بعد رشنا نے کہا تھا۔

ایک دلکش مسکراہٹ فلک کے چہرے پر لہرائی۔ ایک خاص ادا سے دایاں ابرو اچکاتے ہوئے اس نے

مکمل ناول

کہا۔

"جانتی ہوں مجھے میک اپ کی ضرورت نہیں ہے مگر سلمان کو میک اپ پسند ہے اور جو چیز اسے پسند ہے 'وہ فلک کو کیسے ناپسند ہو سکتی ہے۔ مس رشنا کمال! یہ سب سنگھار صرف اسی ایک شخص کے لیے کر رہی ہوں تاکہ اس کی نظر کہیں اور نہ جا سکے۔ اگر کوئی چہرہ اس کے خیالوں میں رہے تو وہ یہی چہرہ ہو اگر کوئی وجود اس کی نظر کو اسیر کرے تو وہ یہی وجود ہو۔" فلک نے میک اپ کٹ بند کر کے دراز میں رکھ دی۔

"دل تو اس بندے کا پہلے ہی جیت چکی ہو اب باقی کیا رہا ہے جسے حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ وہ بندہ تمہارے پیچھے اس قدر دیوانہ ہے کہ اس سب سنگھار کے بغیر بھی اس کی نظر تمہارے علاوہ کسی اور چہرے پر نہیں ٹکے گی۔" رشنا نے رشک آمیز حسرت سے کہا تھا۔ ایک تفاخر آمیز مسکراہٹ سے فلک اپنے تراشیدہ بالوں میں برش کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

——*

خوب صورتی کی اگر کوئی حد ہوتی تھی تو وہ حد فلک شیر افگن تھی۔ وہ مجسم حسن تھی جو نظر ایک بار اس چہرے کو دیکھ لیتی۔ وہ دوبارہ کچھ اور دیکھنے کے قابل نہیں رہتی تھی۔ اسے نظروں کو اسیر کرنے کا ہنر آتا تھا۔ بعض دفعہ وہ اپنے وجود کو آئینے میں دیکھتی اور خود اپنے سحر میں گرفتار ہو جاتی اور پھر سوچتی۔

"اگر میں ایک عورت ہوتے ہوئے خود اپنے ہی عکس سے نظر ہٹا نہیں سکتی تو کسی مرد کے لیے یہ کتنا مشکل ہو گا۔"

یہ احساس اسے بیٹھے بٹھائے قلوپطرہ بنا جاتا پھر وہ گھنٹوں آئینے کے سامنے بیٹھی سنگھار میں مصروف رہتی۔ بہت سے لوگوں کو دنیا میں صرف ایک چیز ملتی ہے اور بس ایک ہی چیز ملتی ہے۔ بعض لوگوں کو دنیا میں سب کچھ ملتا ہے اور سب کچھ ہی ملتا ہے 'فلک شیر افگن دوسری فہرست میں آتی تھی۔ وہ شیر افگن جلیل کی اکلوتی بیٹی تھی اور شیر افگن جلیل ملک کے نامور انڈسٹریلسٹ تھے۔ اسے چاہا نہیں گیا تھا۔ بے تحاشا چاہا گیا تھا اگر اس کے ماں باپ کا بس چلتا تو وہ واقعی اسے اپنی پلکوں پر بٹھا لیتے۔ وہ خود پسند بھی تھی اور خود پرست بھی مگر کوئی اور خامی اس میں نہیں تھی یا شاید اس کا حسن کسی دوسرے کو اتنی جرات ہی نہیں دیتا تھا کہ وہ فلک شیر افگن کی کوئی خامی ڈھونڈ پاتا۔

اس نے ہمیشہ ہر جگہ سے ستائش پائی تھی چاہے وہ گھر ہو اسکول کالج ہو یا پھر یونیورسٹی۔ وہ لڑکیاں بھی جو اس سے حسد کرتی تھیں۔ کہیں نہ کہیں ان کے دل میں بھی اس سے دوستی کی خواہش ضرور دبی رہتی تھی۔ بعض دفعہ کوئی دل ہی دل میں اس سے سخت بدگمان ہوتا اسے ناپسند کرتا۔ اس کے بارے میں دوسروں سے غلط باتیں کہتا اور پھر وہ ایک بار ہی اس سے مخاطب ہوتی' حال احوال پوچھتی' مسکراتی اور اگلا چاروں شانے چت ہو جاتا پھر اس میں کوئی مزاحمت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ اگلے کتنے دن وہ اسی احساس کے ساتھ ساتویں آسمان پر رہتا کہ فلک شیر افگن نے اس سے بات کی ہے اس کا حال احوال دریافت کیا ہے اسے دیکھ کر مسکرائی ہے۔ پھر وہ دوبارہ کبھی اس کی مخالفت کرنے کی جرات نہ کر پاتا۔ وہ اکثر اپنے مخالفین کو اسی طرح چت کیا کرتی تھی۔

وہ یونیورسٹی میں ایم ایف اے کر رہی تھی مگر اس کا حلقہ احباب لمبا چوڑا نہیں تھا۔ اس کے دوستوں کی تعداد محدود تھی۔ اس کی چند دوستیں وہی تھیں جن کے ساتھ اسکول کے زمانے سے اس کی دوستی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعلق نہ صرف مضبوط ہوا تھا بلکہ اس کی دوستوں میں کوئی اور اضافہ بھی نہیں ہوا تھا۔ رشنا بھی اس کی ان ہی گہری دوستوں میں سے ایک تھی اور اس سے 'اور مریم سے ہی اس کا سب سے زیادہ میل جول تھا۔

فلک کے لیے رشتے تب سے آنے شروع ہو گئے تھے جب وہ ابھی اسکول میں تھی۔ مگر شیر افگن نے بڑی خوب صورتی سے سب کو ٹال دیا تھا وہ چھوٹی عمر میں اس کی شادی کرنا نہیں چاہتے تھے ویسے بھی وہ

جانتے تھے کہ فلک کے لیے کبھی بھی رشتوں کی کمی نہیں ہو گی۔ وہ نہ صرف بے پناہ خوب صورت تھی بلکہ ان کی ساری دولت کی بھی مالک تھی پھر ایسی سونے کی چڑیا کو پھانسنے کے لیے شکاریوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ کیوں نہ ہوتا۔

وہ شروع سے کوایجوکیشن میں پڑھی تھی اور شروع سے ہی اس کے پیچھے بھاگنے والوں کی فہرست بہت لمبی تھی۔ مگر فلک نے کبھی کسی کی پروا نہیں کی تھی یا پھر شاید اس کو کسی میں اپنی کشش ہی محسوس نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس کے بارے میں سوچتی بلکہ وہ اکثر اپنی فرینڈز کے ساتھ مل کر ایسے عشاق کا مذاق اڑایا کرتی تھی رشنا اکثر اس سے کہا کرتی تھی۔ "جو لوگ خود خوب صورت ہوتے ہیں' انہیں کسی دوسرے سے محبت ذرا کم ہی ہوتی ہے اور عشق تو دور کی بات ہے۔" وہ ہر بار اس کی باتوں پر قہقہہ لگایا کرتی تھی۔

سلمان انصر سے اس کی ملاقات اپنی ایک دوست کی بہن کی شادی کی تقریب میں ہوئی تھی۔ آواری میں سوئمنگ پول کے کنارے ایک ٹیبل پر وہ اپنی دوستوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی حسب معمول بہت سی نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی اور اس بات سے آگاہ بھی تھی اور بے پروا بھی اپنی دوستوں کی کسی بات پر قہقہہ لگاتے ہوئے اس کی نظر سوئمنگ پول کے دوسرے کنارے پر پڑی ایک ٹیبل پر پڑی تھی۔ سیاہ جینز اور اسی رنگ کی لیدر کی جیکٹ اور ریڈ شرٹ میں ملبوس وہ بندہ اس ٹیبل کی سب سے خاص چیز تھا۔ وہ اتنی دور سے بھی اس کے چہرے کے نقوش کی خوب صورتی کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے کی بات سن رہا تھا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس سے کوک کے سپ لے رہا تھا۔ فلک چاہتے ہوئے بھی اس سے نظر ہٹا نہیں پائی۔ اپنی فرینڈ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وہ وقفے وقفے سے اسے دیکھ رہی تھی اور کچھ دیر بعد اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ صرف فلک کی توجہ کا مرکز نہیں تھا۔ کچھ اور نظریں بھی بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اور اس احساس نے پہلی بار اسے حسد سے روشناس کروایا تھا۔ اس کے دل میں بڑی شدت سے اس کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔

"رشنا! یہ سوئمنگ پول کے دوسری طرف ٹیبل پر بلیک آؤٹ فٹ میں جو بندہ ہے 'اسے جانتی ہو؟" اس نے اچانک رشنا سے سرگوشی میں پوچھا تھا جو اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی رشنا نے نظر دوڑائی تھی۔

"نہیں یار یہ کوئی نیا ہی بندہ ہی کم از کم میں واقف نہیں ہوں۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

پھر فلک نے یہی سوال ٹیبل کے گرد بیٹھی ہوئی اپنی دوسری دوستوں سے کیا تھا۔ سب کا جواب نفی میں تھا۔

"رمشہ سے پوچھو' میرا خیال ہے' یہ اس کے بہنوئی کا کوئی دوست ہو گا۔" رشنا نے اس سے کہا تھا۔ وہ رشنا کے ساتھ اٹھ کر اسٹیج کی طرف آ گئی تھی۔ وہاں رمشہ' دولہا دلہن کے ساتھ بیٹھی تصویریں بنوا رہی تھی۔ فلک نے اسے ایک طرف بلوایا اور اس بندے کے بارے میں پوچھا تھا وہ اپنے بھائی سے اس کے بارے میں پوچھنے گئی تھی۔

"یہ سلمان انصر ہے' اسد بھائی کا کزن ہے۔" اس نے آ کر اپنے بہنوئی کا نام لیا تھا۔ فلک نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسے اس سے ملوائے۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔ اسد بھائی کا چھوٹا بھائی جمشید بھی اسی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس تمہیں لے جاتی ہوں ظاہر ہے وہ خود ہی ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کا تعارف کروا دے گا۔" رمشہ نے اس ٹیبل پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا تھا۔

فلک دھڑکتے دل کے ساتھ رمشہ کے ساتھ اس ٹیبل کی طرف آ گئی تھی۔ وہ دور سے جتنا خوب صورت نظر آ رہا تھا پاس آ کر اس سے زیادہ اچھا لگا تھا اسے۔ رمشہ کے ساتھ جب وہ اس ٹیبل کے پاس پہنچی تو رمشہ نے جمشید سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ پھر جمشید نے باری باری ٹیبل کے گرد بیٹھے ہوئے لڑکوں کا تعارف ان سے کروایا تھا۔

سلمان انصر نے اپنے تعارف پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہیلو کہا تھا۔ پھر وہ پہلے کی طرح

گردو پیش نظر دوڑانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ فلک کے لیے یہ بات حیران کن تھی۔ وہ اس ٹیبل پر بیٹھے ہوئے دوسرے لڑکوں کی طرح اسے ستائشی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کو کچھ ٹھیس لگی تھی، کچھ دل گرفتہ سی وہ واپس اپنی میز پر آ گئی تھی۔ فنکشن کے اختتام تک اس کی توجہ اسی پر مرکوز رہی تھی مگر اس نے سلمان انصر کو ایک بار بھی اپنی طرف متوجہ نہیں دیکھا تھا۔

اگلے کئی دن وہ اسی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ وہ چہرہ جیسے اس کے دماغ میں کہیں فیڈ ہو گیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے ذہن سے جھٹک نہیں پا رہی تھی۔

سلمان انصر سے اس کی دوستی کی ملاقات Pace میں ہوئی تھی۔ وہ ہاتھوں میں کچھ شاپنگ بیگز تھامے باہر کی طرف آ رہا تھا۔ جبکہ وہ اندر جا رہی تھی۔ اسے سامنے سے آتے دیکھ کر فلک کے قدم رک گئے تھے۔

"ہیلو!" پاس آنے پر فلک نے بے تابی سے اسے مخاطب کیا تھا وہ کچھ حیران ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک نہیں تھی۔

فلک کو شاک لگا تھا۔ "کیا مجھ میں ایسی کوئی بات بھی اسے نظر نہیں آئی کہ یہ مجھے یاد رکھتا۔" اس نے سوچا تھا۔

"سوری، میں نے آپ کو پہچانا نہیں ہے۔"

فلک نے کچھ دل گرفتہ ہو کر دو ہفتے پہلے ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتایا۔

وہ یک دم مسکرایا۔ "مجھے یاد آ گیا کیسی ہیں آپ؟"

اس کی مسکراہٹ نے فلک کی ساری رنجیدگی دور کر دی تھی "میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

"فائن۔"

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا میں آپ کو لنچ کی آفر کر سکتی ہوں؟" اس نے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اس سے کہا تھا۔

وہ اس اچانک آفر پر کچھ حیران ہوا تھا۔

"لنچ آل رائٹ چلئیں۔" چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

دونوں باہر نکل آئے۔ فلک نے اپنے ڈرائیور کو واپس بھجوا دیا تھا۔ سلمان کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"کہاں چلیں؟" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"فیوجی یاما۔" وہ گاڑی کو ریورس کرتے ہوئے سڑک پر لے آیا تھا۔

"آپ پڑھتی ہیں؟" اس نے اپنی ٹی شرٹ کے ساتھ لٹکتے ہوئے سن گلاسز اتار کر لگاتے ہوئے کہا تھا۔

فلک نے اسے اپنے بارے میں بتایا۔

"اور آپ؟"

"مجھے تو کافی سال ہو گئے اپنی تعلیم مکمل کیے۔ اکنامکس میں ماسٹرز کیا ہے۔ سرامکس کی فیکٹری ہے میرے ڈیڈی کی وہیں ہوتا ہوں۔" وہ آہستہ آہستہ اپنے بارے میں بتاتا گیا تھا۔ پھر گفتگو کا سلسلہ طویل ہوتا گیا تھا۔

(فیوجی یاما) میں ہونے والا یہ لنچ پہلا اور آخری لنچ ثابت نہیں ہوا تھا۔ ان کی ملاقاتوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی اور پھر اینڈ رزلٹ وہی ہوا تھا جو فلک نے چاہا تھا۔ سلمان نے اسے پروپوز کر دیا تھا اور اس نے ایک لمحہ کے تامل کے بغیر یہ پرپوزل قبول کر لیا تھا۔ سلمان اسے پہلی ملاقات میں ہی دوسرے مردوں سے مختلف لگا تھا۔ فلک بیس سال کی تھی اور وہ اس سے دس سال بڑا تھا۔ فلک کی طرح وہ نہ تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھڑک اٹھتا تھا اور نہ ہی کسی بات پر فوراً اپنا ردعمل ظاہر کرتا تھا۔ وہ بہت سوبر اور ڈیسنٹ تھا۔ پرسکون انداز میں ٹھہر ٹھہر کر دھیمی آواز میں بات کیا کرتا تھا اور فلک کسی سحر زدہ معمول کی طرح اسے بات کرتے دیکھتی رہتی تھی۔ وہ کبھی بھی کسی کی بات اتنے انہماک سے نہیں سنتی تھی جس طرح وہ سلمان کو سنتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ سلمان کے پرپوز کرنے پر جیسے اس کی دلی مراد پوری ہو گئی تھی اسے پہلی بار اپنی خوش قسمتی پر یقین آیا تھا لیکن ابھی کچھ مشکلات باقی تھیں۔

گھر میں اس پرپوزل کا ذکر کرنے پر جیسے ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا تھا۔ شیر افگن کو اعتراض تھا کہ وہ ان کی برادری کا نہیں ہے اور ویسے بھی وہ فلک سے دس سال بڑا تھا۔ ایک اور اعتراض انہیں یہ تھا کہ وہ بلاشبہ ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتا تھا مگر وہ فیملی شیر افگن جلیل کی ٹکر کی نہیں تھی فلک کے لیے اگر یہ ساری باتیں بے معنی تھیں تو شیر افگن کے لیے یہی چیزیں اہمیت رکھتی تھیں۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے داماد بھی ویسا ہی چاہتے تھے اور سلمان اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ مگر فلک کی ضد کے آگے ان کی مخالفت زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکی تھی۔ وہ اس کے رونے دھونے اور خاموشی کو برداشت نہیں کر سکے تھے اور انہوں نے سلمان کے رشتے کو نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کر لیا تھا۔

مگر شیر افگن کی ناپسندیدگی سلمان سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ منگنی کے فوراً بعد ان کے اختلافات ایک بار پھر ابھر کر سامنے آئے تھے جب شیر افگن نے یہ کوشش کی تھی کہ سلمان اپنی فیکٹری چھوڑ کر ان کے بزنس کو دیکھنا شروع کرے۔ انہوں نے یہ پیش کش فلک کے ذریعے کی تھی۔

"یعنی تمہارے فادر کو ایک ایسا داماد چاہیے جو ان کی فائلوں والا بریف کیس اٹھا کر ان کے پیچھے پیچھے چلے، سرونٹ کم سن ان لاء۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا فلک کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو سلمان؟ کیا میرے پاپا تمہیں نوکر بنا کر رکھیں گے۔ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ان کا بزنس سنبھالنا شروع کر دو ظاہر ہے ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور میری شادی جس سے بھی ہوتی، اسے پاپا کا بزنس تو سنبھالنا ہی پڑتا۔" اس نے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اور میری سرامکس کی فیکٹری کا کیا ہو گا۔" اس نے کچھ دیر بعد فلک سے پوچھا تھا۔

"تم اپنے کسی بھائی کے سپرد کر سکتے ہو وہ یا اپنی جگہ کوئی جنرل مینجر رکھ سکتے ہو۔" فلک نے مشورہ دیا تھا۔

وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے کچھ دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ "کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں، میں نے تم سے بات ہی نہیں کی اور یہی غلطی کی ہے، میرا خیال ہے انگیجمنٹ سے پہلے ہی مجھے تم سے ان چیزوں کے بارے میں بات کر لینی چاہیے تھی۔" اس کا لہجہ خاصا سرد تھا۔

فلک کچھ چونک گئی تھی۔

"مجھے شادی ایک لڑکی سے کرنی ہے۔ کوئی باس گھر لے کر نہیں آنا ہے۔ میرا خیال ہے، میں اس طرح کا شوہر ثابت نہیں ہو سکتا جس طرح کا تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو ضرورت ہے۔ اگر میرا اپنا بزنس نہ ہوتا تو میں تمہارے فادر کے بزنس کے بارے میں سوچتا لیکن اب میری اپنی فیکٹری ہے جو پوری طرح سے اسٹیبلش ہے۔ تم چاہتی ہو، میں وہ چھوڑ کر تمہارے فادر کے بزنس کو جوائن کر لوں جو میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنا چاہتا ہوں۔ بیوی یا ان لاز کی مرضی کے مطابق نہیں۔ میرا خیال تھا ہم نے کافی وقت اکٹھا گزارا ہے تم مجھے کسی نہ کسی حد تک سمجھ چکی ہو گی مگر میرا خیال غلط ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے ہمیں کسی نئے رشتے میں بندھنا نہیں چاہیے۔"

اس نے اپنی بات کے اختتام پر اپنی انگلی سے منگنی کی انگوٹھی اتار کر فلک کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ وہ بالکل بے حس و حرکت تھی۔ اس نے والٹ نکال کر بل کے پیسے مینو کارڈ میں رکھے تھے اور پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ فلک کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی چھوٹی سی بات پر یہ قدم۔۔۔

اس نے اسے ریسٹورنٹ کے دروازے سے نکلتے دیکھا تھا اور پھر جیسے وہ اپنے حواس میں واپس آئی تھی۔ اپنا بیگ اور انگوٹھی اٹھا کر وہ بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے گئی تھی۔ وہ پارکنگ کی طرف جا رہا تھا۔

"آئی ایم سوری سلمان! اگر تم میری بات پر ہرٹ ہوئے ہو تو۔۔۔ لیکن میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے پاس آ کر اس کے کندھے کو تھام کر لجاجت سے کہا تھا۔

وہ رک گیا تھا۔ "بات ہرٹ ہونے یا نہ ہونے کی

نہیں ہے بات اپنی اپنی خواہش اور ضرورت کی ہے۔ تمہارے فادر کو واقعی ایک شخص کی ضرورت ہے جو ان کے بزنس کو سنبھالے مگر میں۔۔۔۔"

اس نے بڑی نرمی سے اس سے کہا تھا مگر فلک نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس موضوع پر ہمارے درمیان دوبارہ کبھی بات نہیں ہوگی۔ جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔ پاپا کیا سوچتے ہیں یا کیا چاہتے ہیں۔ میں تم سے دوبارہ کبھی اس بات کا ذکر نہیں کروں گی۔" اس نے قطعی لہجے میں سلمان سے کہا تھا "اور اب تم یہ انگوٹھی پہن لو۔"

سلمان نے کچھ سوچتے ہوئے رنگ پکڑلی۔

شیر افگن کی ناراضگی سلمان کے اس انکار کے بعد کچھ اور بڑھ گئی تھی انہوں نے فلک کو سلمان کے خلاف اکسانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ اب ان کی کوئی بات سننے پر ہی تیار نہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سلمان اگر ان کا بزنس جوائن نہیں کرنا چاہتا تو انہیں اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ ویسے بھی وہ سلمان کی اس حرکت کے بعد خوفزدہ ہوگئی تھی۔ بہت دنوں تک وہ اس واقعہ کو ذہن سے نہیں نکال سکی تھی۔

"کیا سلمان کے نزدیک میری ذرا بھی اہمیت نہیں تھی کہ اس نے اتنی معمولی سی بات پر انگوٹھی اتار کر پھینک دی؟"

یہ سوال بار بار اس کو خوفزدہ کردیتا تھا۔

"مگر۔ اگر اس کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہ ہوتی تو وہ مجھے شادی کا پرپوزل کیوں دیتا۔" وہ جیسے خود کو تسلی دینے کی کوشش کرتی تھی۔ "ایک شخص سے محبت' انسان کو کتنا مجبور کردیتی ہے میں نے زندگی میں کسی کی پرواہی نہیں کی اور اب اس شخص کی پرواکی ہے تو مجھے احساس ہوا ہے کہ محبت کرنے کے بعد بندے کو کتنا جھکنا پڑتا ہے صرف اس خوف سے کہ کہیں دوسرا آپ کو چھوڑ نہ دے۔"

وہ سوچتی تھی۔ ہر بار یہ سوچ اسے دل گرفتہ کردیتی تھی اور ہر بار سلمان کے سامنے آنے پر اس کی ساری دل گرفتگی جیسے دھواں بن کر غائب ہو جاتی تھی۔ اس کے سارے شکوے جیسے ختم ہو جاتے تھے۔ وہ عام مردوں کی طرح لمبی چوڑی باتیں کرتا تھا نہ ہی اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا مگر فلک کو اس کی موسم کے حالات کے بارے میں کہی جانے والی بات بھی کسی خوب صورت اور رومینٹک شعر سے زیادہ اچھی لگتی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ سلمان کو اس کے ساتھ بیٹھنا باتیں کرنا اس کے ساتھ چلنا پھرنا کیسا لگتا تھا۔ مگر اسے سلمان کے ساتھ چلتے ہوئے اپنے وجود پر فخر ہوتا تھا یوں جیسے وہ سلمان کو نہیں پورے جہان کو اپنے ساتھ لیے پھر رہی ہو۔ جیسے دنیا میں اس کے علاوہ ہر لڑکی خالی ہاتھ ہو۔

اس کی زندگی میں اگر سلمان پہلا مرد تھا تو سلمان کی زندگی میں آنے والی بھی وہ پہلی لڑکی ہی تھی۔ وہ شروع سے ہی بہت ریزرو طبیعت کا مالک تھا اور لڑکیوں کے ساتھ گھومنا پھرنا کبھی بھی اس کی عادت میں شامل نہیں رہا تھا۔ فلک کی طرح وہ بھی اپنی خوب صورتی اور صنف مخالف کے لیے اپنی کشش سے واقف تھا اور اس کی طرح وہ خود پرست بھی تھا اور انا پرست بھی لیکن ان دونوں باتوں کے باوجود وہ بھی فلک کی محبت میں گرفتار تھا۔ ہاں یہ محبت فلک کی طرح طوفانی اور سب کچھ قربان کردینے والی نہیں تھی۔

ان کی منگنی تقریباً" تین سال رہی تھی اور ان تین سالوں میں فلک نے خود کو سلمان کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ وہ سلمان کی مرضی کے خلاف کچھ کرنے کا سوچ ہی نہیں سکتی تھی جو رنگ سلمان کو پسند تھے اس نے بھی وہی پہننا شروع کردیے تھے۔ جو رنگ سلمان کو ناپسند تھے وہ جیسے اس کی زندگی سے بھی نکل گئے تھے۔ جو چیز سلمان کو کھانے میں پسند تھی۔ لاشعوری طور پر وہ اس کی پسند بھی بن گئی تھی اور جس چیز سے سلمان بھاگتا تھا۔ وہ بھی اسے اتنا ہی ناپسند کرنے لگی تھی اور یہ سب کچھ سلمان کے کہے بغیر ہوا تھا۔ سلمان نے کبھی اسے کسی بات پر مجبور نہیں کیا تھا مگر وہ خود ہی اسے خوش رکھنا چاہتی تھی۔ سرتاپا اس کی پسند میں ڈھل جانا چاہتی تھی اس کی دوستیں اس میں آنے والی تبدیلیوں پر حیران تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ فلک شیر افگن جو پتا نہیں خود کتنے

شخص کے لیے اتنا بدل دے گی۔ اس کی ہر بات میں سلمان انصر کا ذکر آتا تھا۔ بعض دفعہ اس کی دوستیں اس بات پر اس کا مذاق بھی اڑاتیں مگر فلک کو کوئی پروا نہیں تھی۔

*_*_*

تین سال بعد بڑی دھوم دھام سے اس کی اور سلمان کی شادی ہوگئی تھی۔ شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی سلمان نے اپنے لیے ایک علیحدہ گھر لے لیا تھا اور فلک شادی کے بعد اسی گھر میں گئی تھی۔ شادی کے بعد فلک کے دل میں سلمان کے بارے میں جو تھوڑے بہت خدشات تھے۔ وہ بھی ختم ہوگئے تھے' وہ ایک بہت ہی محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ شادی سے پہلے کی جس بے نیازی اور بے پروائی نے فلک کو خوفزدہ کیا تھا۔ وہ شادی کے بعد غائب ہوگئی تھی۔ وہ فلک کا کسی ننھے بچے کی طرح خیال رکھتا تھا۔ شادی سے پہلے کی اس کی تمام کوئی بھی ختم ہوگئی تھی۔

فلک کو اپنی زندگی پر پہلی بار رشک آنے لگا تھا۔ ٹھیک ہے میں نے اس شخص کے لیے اپنے آپ کو بہت بدلا ہے اسے خوش کرنے اور خوش رکھنے کے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے مگر وہ سب بے کار تو نہیں گیا۔ سلمان انصر کو احساس ہے کہ میں نے اس کے لیے کیا کیا ہے اور اس کے نزدیک میری' ہر قربانی ہر ایثار کی اہمیت ہے۔"

وہ اکثر سوچتی اور مسرور ہوتی رہتی۔ شادی کے بعد سلمان انصر کے شیر افگن کے ساتھ بھی تعلقات اچھے ہوگئے تھے حالانکہ فلک کو خدشہ تھا کہ شاید سلمان کی انا ان تعلقات کی بہتری میں رکاوٹ بنے گی مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر فلک کے ساتھ اس کے گھر جایا کرتا تھا اور میمونہ اور شیر افگن دونوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ خود شیر افگن بھی اس کے بارے میں اپنے پچھلے خیالات اور رائے بدلنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ فلک کو اس کے ساتھ اس قدر خوش دیکھ کر اور سلمان کے طور طریقے دیکھ کر وہ اسے پسند کرنے لگے تھے۔

فلک کا تھا۔ شیر افگن اور میمونہ نے جس ماحول میں فلک کی تربیت کی تھی وہاں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ بچپن میں ایک بار قرآن پاک پڑھ لینے کے بعد فلک نے دوبارہ اس مقدس کتاب کو ہاتھ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ نماز اور روزے سے بھی وہ اپنی ماں کی طرح بے نیاز تھی۔ اس کا خیال تھا کہ آج کے دور میں اتنا مذہبی ہونا خاصا دقیانوسی کام ہے۔ جب کبھی دوستوں سے اس کی اس موضوع پر بات ہوتی تو وہ کہتی۔

"دیکھو یار! مجھے قیامت وغیرہ پر زیادہ یقین نہیں ہے جو کچھ ہونا ہے دنیا میں ہی ہوگا۔ اچھی یا بری جیسی زندگی بھی گزارنی ہے بس ایک بار ہی گزارنی ہے ایسا بار بار نہیں ہوگا۔"

رشنا کو بعض دفعہ اس کی باتوں پر اعتراض ہوتا کیونکہ وہ باقاعدگی سے نہ سہی لیکن نماز وغیرہ پڑھ لیا کرتی تھی۔ فلک اس کے اعتراض پر ہر دفعہ مسکرا کر کہتی۔

"دیکھو رشنا! یہ عبادت وغیرہ بندہ تب کرتا ہے جب اس کی اللہ سے لمبی چوڑی فرمائشیں ہوں یا پھر اس نے اچھے خاصے گناہ کیے ہوں۔ میرے ساتھ تو یہ دونوں مسئلے نہیں ہیں نہ تو میں اللہ سے کچھ مانگتی ہوں اور نہ ہی میں کوئی گناہ کرتی ہوں پھر ہر وقت مصلے پر بیٹھے رہنے کا کیا فائدہ۔"

رشنا ہر بار خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ اسے دلیل سے قائل نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ خود اس کا مذہب کے بارے میں علم بہت کم تھا اور وہ فلک کو دلیل کیسے دے سکتی تھی۔ فلک کے برعکس سلمان اس طرح کی باتیں تو نہیں کرتا تھا۔ لیکن نماز' روزے سے وہ بھی کوسوں دور تھا۔ اس کے نزدیک اتنا ہی اسلام کافی تھا کہ بندہ مسلمان ہو اور اس کا نام بھی مسلمانوں والا ہو۔ ہاں زندگی کو ویسے گزارنا چاہیے جیسا زمانہ ہو۔

اس سہ پہر وہ دونوں راوی کی سیر کے لیے گئے تھے۔ شادی سے پہلے بھی وہ دونوں اکثر یہاں آیا کرتے تھے۔ فلک کو یہاں دریا کے کنارے تنہائی اور خاموشی میں آ

...بہت پسند تھا۔ بعض دفعہ جب سلمان اس کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ اپنی کسی دوست کو ساتھ لے آتی۔ کشتی کے ذریعے دریا پار کرکے وہ کامران کی بارہ دری میں چلے گئے۔ دریا کے وسط میں بنی ہوئی یہ مغلیہ دور کی عمارت اسے بڑی اٹریکٹ کیا کرتی تھی۔ سلمان اور وہ بارہ دری کے مختلف حصوں میں پھرتے اور باتیں کرتے رہے۔ پھر جب شام ڈھلنے لگی تو وہ دونوں ایک بار پھر کشتی کے ذریعے بارہ دری سے واپس کنارے پر آ گئے تھے۔

کنارے سے اوپر سڑک پر جانے کے لیے انہوں نے چلنا شروع کیا تھا جب فلک نے پھٹے کپڑوں اور لمبے بالوں اور داڑھی والے ایک فقیر کو دیکھا تھا۔ وہ دریا کے کنارے سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی اور بالوں میں کیچڑ لگا ہوا تھا اور پھٹے کپڑوں میں سے اس کا سیاہ سوکھا ہوا جسم نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی قمیص کے دامن میں کچھ پتھر اکٹھے کیے ہوئے تھے اور وہ وقفے وقفے سے گڑھے میں پتھر پھینک رہا تھا۔ پتھر گرنے پر کیچڑ اور پانی اچھل کر ادھر ادھر گر رہا تھا۔ ان دونوں کو فقیر کے سامنے سے گزر کر جانا تھا اور فلک کا خیال تھا کہ ان کے گزرتے وقت فقیر پانی والے گڑھے میں پتھر نہیں پھینکے گا یہی اطمینان لیے وہ باتیں کرتی ہوئی سلمان کے ساتھ اس گڑھے کے پاس سے گزرنے لگی اور اسی وقت فقیر نے اپنی گود میں رکھا ہوا سب سے بڑا پتھر اٹھا کر گڑھے میں پھینکا تھا۔ ایک چھپاکے کے ساتھ گدلا پانی اڑ کر فلک کے چہرے اور لباس کو داغدار کر گیا تھا۔ سلمان دوسری جانب تھا اس کے کپڑوں پر بھی چھینٹے پڑے مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی مگر فلک کے سفید لباس پر وہ کیچڑ بہت نمایاں ہو گیا تھا۔

"یو ایڈیٹ! اندھے ہو تم، نظر نہیں آتا تمہیں کہ کوئی گزر رہا ہے۔" وہ غصے کے عالم میں چلائی تھی۔

"میں واقعی اندھا ہوں۔ مجھے دنیا نظر ہی نہیں آتی۔"

وہ اس کی بات پر ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔ اپنے حلیے کے برعکس اس فقیر کی آنکھوں اور آواز میں بہت سکون، بہت ٹھہراؤ تھا۔ اس کا لب و لہجہ بہت شائستہ تھا۔ وہ ان پڑھ نہیں لگتا تھا۔

"اگر اندھے ہو تو یہاں بیٹھ کر لوگوں کو گندا کیوں کر رہے ہو جاؤ کہیں اور جا کر بیٹھو یا اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو۔" اس کا غصہ پھر عود کر آیا تھا۔ اس نے ٹشو نکال کر چہرے سے کیچڑ صاف کرنا شروع کیا تھا۔

"بی بی! تو گندگی سے کیوں ڈرتی ہے۔ تجھے کیا لگتا ہے، یہ کیچڑ تجھے کسی کی نظر سے اوجھل کر دے گا۔ تجھے لگتا ہے اتنا سا کیچڑ اس شخص کی محبت کو ختم کر دے گا۔"

اس بار اس نے عجیب سے لہجے میں سلمان کی طرف ہاتھ سے اشارا کیا تھا۔

"اس شخص کی پروا نہ کر۔ اللہ کی پروا کر۔ اللہ کو کیچڑ اور گندگی سے غرض نہیں ہوتی۔ اس کی نظر میں جو ایک بار آجاتا ہے۔ ہمیشہ رہتا ہے اور اس نظر کو کیچڑ کی پروا نہیں ہوتی۔ یہ دیکھو دیکھو۔"

وہ یک دم اٹھ کر کیچڑ کے اس گڑھے کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا اور پھر اس نے کیچڑ نکال نکال کر اپنے چہرے اور لباس پر ملنا شروع کر دیا۔

"دیکھو، میں تو کیچڑ سے نہیں ڈرتا۔ میں تو گندگی سے خوف نہیں کھاتا۔ جانتا ہوں۔ اس کی نظر اس کیچڑ اور گندگی پر نہیں جائے گی۔ وہ صرف میرے وجود کو دیکھے گا۔"

اس بار بات کرتے ہوئے وہ ہذیانی کیفیت میں تھا۔ وہ ٹشو کے ساتھ چہرہ صاف کرتے ہوئے اسے دیکھتی رہی اور اس کے اشتعال میں اضافہ ہوتا گیا تھا۔ "میں جس کی نظر میں ہوں، میرے لیے کافی ہے۔ مجھے جس کی محبت چاہیے، مل چکی ہے مجھے اور کسی محبت کی پروا نہیں ہے۔"

"یہ تو دروازہ ہے، دروازے کا کام رستہ دینا ہوتا ہے یا رستہ روکنا، تیرا رستہ اس نے روک دیا ہے۔ تیرا ہی کیا ہر عورت کا رستہ اس نے روک دیا ہے۔ آگے جانے ہی نہیں دیتا۔ اسے لے کر کیا کرے گی تو یہ کل نہیں ہے بی بی! یہ کل نہیں ہے۔ تو کل کی خواہش کیوں نہیں کرتی وجود کی طلب کیوں ہے تجھے۔ ذات

کی چاہ کیوں نہیں ہے؟۔" اس کا ہاتھ ایک بار پھر سلمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

"تم بھکاری لوگ رستے میں بیٹھ جاتے ہو اور پھر بکواس کرنا شروع کر دیتے ہو چلو سلمان۔"

اس نے یک دم سلمان کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چلنا شروع کر دیا تھا جو اب تک بالکل خاموشی سے ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔

"ہر ایک کو بھکاری بنا کر رستے میں بٹھایا ہوا ہے اور ہر ایک خود کو مالک سمجھتا ہے جب تک ٹھوکر نہیں لگتی، جب تک گھٹنوں پر نہیں گرتا۔ اپنی اوقات کا پتا ہی نہیں چلتا۔ وجود کے نصیب میں ہے بھکاری ہونا، بس ذات بھکاری نہیں ہو سکتی۔ وجود کے مقدر میں مانگنا ہے، ذات کا وصف دینا ہے۔ میں کیا، تو کیا بی بی! سب بھکاری ہیں۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں کبھی نہ کبھی بھکاری بننا ہی پڑتا ہے۔ مانگنا ہی ہوتا ہے۔ کوئی عشق مانگتا ہے کوئی دنیا اور جو یہ نہیں مانگتا وہ خواہش کا ختم ہو جانا مانگتا ہے۔"

وہ فقیر بلند آواز میں بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اوپر سڑک کی طرف جاتے ہوئے بھی اس کی بڑبڑاہٹ اس کے کانوں میں آرہی تھی اور اس کے اشتعال میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"تم بھی عجیب ہو سلمان! تم سے اتنا نہیں ہوا کہ اسے جھڑک ہی دو، وہ کس طرح مجھ سے بات کر رہا تھا۔ مگر تم بالکل چپ کھڑے رہے۔" اس نے یک دم سلمان سے کہنا شروع کیا تھا۔

"میں کیا کہتا اسے، وہ کوئی پاگل تھا۔ اس سے بحث کر کے مجھے کیا ملتا۔ تم نے بھی تو بحث کی ہے۔ کیا فائدہ ہوا۔ بہتر تھا، تم بات بڑھاتیں ہی نہ خاموشی سے نظر انداز کر کے وہاں سے آجاتیں۔"

سلمان نے اس سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات پر کچھ اور بھڑک اٹھی۔ "اسے نظر انداز کر کے آجاتی تاکہ وہ کسی اور کے ساتھ بھی یہی کچھ کرتا، پاگل نہیں تھا وہ ڈھونگی تھا۔ دیکھا نہیں کس طرح کی باتیں کر رہا تھا۔ کیا باتوں سے اس کے پاگل پن کا پتا چلتا ہے، نئے نئے طریقے اپنائے ہوئے ہیں ان لوگوں نے بھیک مانگنے کے۔ ہر جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور تمہارے جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی ان کا حوصلہ اتنا بڑھ جاتا ہے۔ میرا تو دل چاہ رہا تھا، میں وہی پتھر اٹھا کر اس کے سر پر ماروں۔ اسے پتا تو چلے۔ اندھا ہے وہ الو کا پٹھا۔" اس کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"کول ڈاؤن یار! اب اتنا زیادہ غصہ کرنے کا کیا فائدہ ہے، جو ہو گیا ہو گیا۔ اب ان باتوں کو دوہرانے کا کیا فائدہ، گھر چل رہے ہیں ہم کپڑے بدل لینا بلکہ نہا لینا۔ یہ کیچڑ ختم ہو جائے گی۔ تم خوامخوا اس بات کو سر پر سوار کر رہی ہو۔"

سلمان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"خیر میں کسی بھی بات کو خوامخواہ سر پر سوار نہیں کیا کرتی۔ جو بات ٹھیک تھی، میں نے وہی کہی ہے۔ آئندہ کم از کم کسی دوسرے کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے دس بار تو سوچے گا۔" اس کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا مگر اس نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی سلمان نے بھی اس کے خاموش ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا گھر پہنچنے تک اس کے ذہن سے یہ بات نکل چکی تھی۔

--*

اس واقعہ کو تقریباً" چھ ماہ گزر گئے تھے جب اس نے سلمان میں کچھ تبدیلیاں نوٹ کرنی شروع کی تھیں۔ شادی کے ڈھائی سال اور اس سے پہلے کے تین سال جو اس نے سلمان کے ساتھ گزارے تھے۔ ان میں اس نے سلمان کو ایک بے حد ٹھنڈے مزاج کا انسان پایا تھا۔ وہ بڑی سے بڑی بات پر بھی فوری رد عمل کا اظہار نہیں کرتا تھا اور نہ ہی غصہ میں آتا تھا بلکہ اپنی ناراضگی کا اظہار بھی بڑے دھیمے لہجے میں کرتا تھا لیکن اب وہ یک دم چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھڑکنے لگا تھا۔

فلک نے پہلے اس بات پر اتنی توجہ نہیں دی۔ لیکن پھر جب ایسا اکثر ہونے لگا تھا تو وہ کچھ پریشان ہوئی لیکن پھر اس نے یہ سوچ کر سب کچھ نظر انداز کرنے کی کوشش کی کہ ہو سکتا ہے فیکٹری کے کسی معاملے کی وجہ سے وہ پریشان ہو۔ اس نے سلمان سے یہ

ے کی کوشش کی تھی مگران دنوں وہ اس کی کسی بھی
ت کا ڈھنگ سے جواب نہیں دیتا تھا۔ وہ ہر وقت
جھلایا رہتا تھا اور کسی بھی چھوٹی سی بات پر اسے
پر اپنا غصہ اتارنے کا موقع مل جاتا تھا۔ اس نے
کی طرح فلک کے ساتھ اس کے میکے جانا چھوڑ دیا
بلکہ اسے فلک کے وہاں جانے پر بھی اعتراض
نے لگا تھا اس کا خیال تھا کہ فلک کو اپنے گھر سے
یادہ اپنے ماں باپ کے گھر میں دلچسپی تھی اور وہ اپنا
یادہ وقت وہاں گزارنا چاہتی تھی۔ جب ایک دوبار
س نے اس طرح کی باتیں کیں تو فلک نے بہتری اسی
س سمجھی کہ وہ فی الحال اپنے والدین کے گھر جانا چھوڑ
ے اس کا خیال تھا کہ اگر اس کی ناراضگی اور رویے
یں تبدیلی کی وجہ یہ ہے تو یہ وجہ ختم ہونے کے بعد وہ
ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا' اس کے
اعتراضات اور نکتہ چینیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ پہلے
کی طرح اب وہ ہر شام اسے اپنے ساتھ باہر لے کر
نہیں جاتا تھا اور فلک کے اصرار پر وہ بگڑ جاتا تھا اس کا
خیال تھا کہ اسے صرف باہر گھومنے پھرنے سے دلچسپی
ہے گھر کا کوئی خیال نہیں۔

یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلتا رہا تھا اور فلک حقیقت میں پریشان ہو گئی تھی پھر ان ہی دنوں وہ گھر سے رات دیر تک غائب رہنے لگا تھا۔ اس سے پہلے اس کی عادت تھی کہ وہ صبح نو بجے فیکٹری جاتا اور شام پانچ بجے گھر آجاتا۔ اگر اسے ایمرجنسی میں کہیں اور جانا پڑتا یا فیکٹری میں رکنا پڑتا تو وہ فلک کو اطلاع دے دیا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ پانچ بجے کے بجائے رات دس گیارہ بجے واپس آنے لگا تھا۔ اگر فلک اس سے پوچھنے کی کوشش کرتی تو وہ کہتا۔

"میری مرضی' میں جب چاہوں گھر میں آؤں اور ضروری نہیں ہے کہ میں جہاں جاؤں' تمہیں اطلاع دے کر جاؤں۔ میں تمہارا ملازم نہیں ہوں۔"

فلک اس کی بات سے زیادہ اس کے لہجے پر روہانسی ہو جاتی۔

"لیکن میں پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"تم کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں ننھا بچہ نہیں ہوں۔" وہ بات ہی ختم کر دیتا تھا۔

فلک اس صورت حال سے بہت پریشان ہو گئی تھی۔ رشنا شادی کے بعد کوئٹہ چلی گئی تھی وہ اس کے ساتھ یہ سب ڈسکس نہیں کر سکتی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے مریم سے بات کی تھی۔ وہ اس کی بات پر جیسے اچھل پڑی تھی۔

"اتنے مہینوں سے سلمان کا یہ رویہ ہے اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔"

"میں نے تمہیں کیا کسی کو بھی نہیں بتایا۔ میرا خیال تھا۔ وہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔ اس لیے وقتی طور پر اس طرح ہو گیا ہے مگر اب تو۔"

"تم احمق ہو جو تم نے اسے اتنی ڈھیل دے دی۔ یہ سب اس کے آگے پیچھے پھرنے کا نتیجہ ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے۔ وہ کسی اور لڑکی کے چکر میں ہے۔"

وہ مریم کے اندازے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"تم کیا کہہ رہی ہو مریم؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے' سلمان اس طرح کا نہیں ہے اور ابھی تو ہماری شادی کو صرف ڈھائی تین سال ہوئے ہیں۔" وہ جیسے خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"تم اگر حقیقت کا سامنا نہیں کرنا چاہتیں تو اور بات ہے ورنہ اس طرح بات بے بات لڑنا' تم میں نقص نکالنا' تمہارے کاموں پر اعتراض کرنا' راتوں کو دیر تک گھر سے باہر رہنا اس سب کا مطلب ایک ہی ہے کہ ان کی زندگی میں کوئی اور موصوفہ آچکی ہیں۔"

وہ ہونق بنی مریم کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تو پھر اب میں کیا کروں مریم؟ اب کیا ہو گا؟"

کچھ لمحے گزرنے کے بعد اسے مریم کی باتوں پر یقین آنے لگا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا' تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ تم ذرا خود پر پہلے سے زیادہ دھیان دو' ذرا اچھے اور ٹھیک ٹھاک قسم کے کپڑے پہنو۔ اس پر زیادہ توجہ دو۔ ہو سکے تو اس کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر چلی جاؤ جن باتوں پر اسے اعتراض ہے' وہ چیزیں ہونے ہی نہ دو کوشش کرو کہ اسے کسی بات میں اعتراض کا موقع ہی نہ ملے اور پھر بھی اگر وہ ٹھیک نہیں ہوتا تو اس سے صاف صاف بات کرو کہ اس کے اس رویے کی کیا وجہ ہے وہ کیا چاہتا ہے۔"

مریم نے اسے جیسے گر بتانے شروع کر دیے تھے۔ وہ بڑے انہماک سے اس کی باتیں سنتی رہی' اس کے گھر سے واپسی پر وہ سیدھا گھر جانے کے بجائے بیوٹی پارلر چلی گئی تھی۔ اس نے وہاں جا کر اپنا ہیر اسٹائل تبدیل کروایا۔

بالوں میں اسٹریکس ڈلوائیں۔ آئی براؤز کی شیپ کو کچھ اور تیکھا کروایا۔ واپس گھر آنے کے بعد اس نے سلمان کا پسندیدہ لباس پہنا تھا میک اپ کرنے کے بعد اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو دیکھا اسے یقین تھا کہ وہ کبھی بھی اتنی خوب صورت اور فریش نہیں لگی تھی جتنی آج لگ رہی تھی۔

وہ رات گیارہ بجے آیا تھا اور خلاف معمول اس نے فلک کو لاؤنج میں دیکھا تھا۔ اس نے کچھ حیرانی سے اس کی تیاریوں کو دیکھا تھا اور پھر ایک لفظ بھی بولے بغیر بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔ وہ کچھ دل گرفتہ ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی ہے کہ وہ چند لمحوں تک تو اس سے نظر نہیں ہٹا پائے گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کی نظر بہت سرسری تھی۔

وہ اس کے پیچھے بیڈ روم میں چلی آئی تھی "میں کھانا لگا دوں؟" خود پر قابو پا کر اس نے بڑے ہشاش بشاش انداز میں پوچھا تھا۔

وہ ایک بار پھر ٹھٹکا تھا۔ "کیا میں تمہیں احمق نظر آتا ہوں کہ اس وقت کھانا کھانے بیٹھوں گا۔"

"لیکن میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

"کیوں نہیں کھایا۔ روز تو کھا لیتی ہو تم پھر آج اس خاص عنایت کی وجہ کیا ہے؟ بہر حال کھانا نہیں کھایا تو کھا لو۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔" وہ بیڈ پر بیٹھا ہوا شوز اتار رہا تھا۔

"میں نے آج تمہاری پسند کی ڈشز بنوائی ہیں۔"

وہ اب مایوس ہو رہی تھی۔

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے ان ڈشز میں اور ہاں ایک بات اور۔" وہ واش روم کی طرف جاتے جاتے مڑا تھا۔

"کیا سارا دن اس تماشے سے تمہارا دل نہیں بھرتا جواب تم رات کو بھی اسے لاد کر بیٹھ گئی ہو۔ تم بیوی ہو' ماڈل یا ایکٹریس نہ بنو۔" اس کا اشارہ اس کے میک اپ اور کپڑوں کی طرف تھا۔ وہ سن ہو گئی تھی۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟ یہ پہلے تو کیا واقعی کوئی دوسری لڑکی۔"

وہ ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی تھی۔ سلمان انصر کے معمولات کو اس کی کسی "کوشش" نے نہیں توڑا تھا۔ وہ جس طرح چاہتا رہتا جہاں چاہتا جاتا' جب چاہتا گھر آتا اور جب دل چاہتا گھر نہ آتا۔ دن بہ دن فلک کی فرسٹریشن میں اضافہ ہوتا گیا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے' مجھے بتاؤ۔ سلمان تمہیں کیا ہوا ہے؟"

وہ اس دن اس کے انتظار میں رات کے دو بجے تک بیٹھی رہی تھی اور اس کے آتے ہی اس نے اس سے پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ جواب دیے بغیر سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا۔ وہ لپکتی ہوئی اس کے پیچھے گئی۔ سلمان اپنی ٹائی کھول رہا تھا۔

"سلمان! میرے ساتھ اس طرح کیوں کر رہے ہو؟ میں نے ایسا کیا کر دیا ہے؟" وہ اس کے مقابل آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ سرد نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بازو پکڑ کر سامنے سے ہٹا کر ڈریسنگ میں چلا گیا۔ وہ برف کے مجسمے کی طرح وہیں کھڑی رہی۔

"میں تمہارے سامنے آتی تھی تو سلمان! تمہارا سانس رک جاتا تھا۔ میں بالمقابل آتی تھی تو تمہاری نظر کو اسیر کر لیتی تھی تمہاری وجود کو ہپناٹائز کر دیتی تھی۔ تم میرے معمول بن جاتے تھے۔ اب تم میں یہ طاقت کہاں سے آگئی کہ تم مجھے سامنے سے ہٹا دو۔ میرا جادو توڑ دو۔ مجھ سے نظر چرا جاؤ۔ سلمان انصر میرا خدشہ ٹھیک ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان کوئی تیسرا آگیا ہے' نہیں آگئی ہے۔ کوئی فلک سے بڑھ کر' کوئی فلک سے بہتر اور اب تمہارے وجود پر کیا اس کا جادو چلا کرے گا"

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ زور زور سے چلائے چیخے

اسے بتائے کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ اسے یاد دلائے کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا تھا۔ وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ چند منٹ بعد نائٹ ڈریس میں ملبوس ڈریسنگ سے باہر آگیا تھا۔ فلک نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے کو پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اسے وہ بے حد تھکا ہوا، بہت بجھا بجھا لگا تھا۔ سلمان نے اپنے بیڈ کی طرف جاتے ہوئے ایک نظر اس کے چہرے پر دوڑائی تھی۔ اس کے گال آنسوؤں سے بھیگ رہے تھے۔ وہ آنکھیں چرا کر اپنے بیڈ کی طرف چلا گیا تھا۔ فلک کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مارا تھا۔

"تو اب میرے آنسوؤں میں بھی اتنی طاقت نہیں رہی کہ یہ تمہیں باندھ لیں۔ تمہیں ہلنے نہ دیں۔ کیا ہر چیز آج ہی بے اثر ہو جائے گی۔"

"فلک! اور کچھ بھی کرو مگر میرے سامنے رویا مت کرو۔ میں تمہارے آنسو برداشت نہیں کر سکتا ہوں' دنیا میں کون سی چیز ہے جو تمہیں رونے پر مجبور کرتی ہے' مجھے بتاؤ۔ میں وہ چیز ہی ختم کر دوں گا۔ میں نے تم سے شادی تمہیں رلانے کے لیے نہیں کی ہے۔ تمہارے آنسو دیکھنے کے لیے نہیں کی ہے۔ تم جانتی ہو تمہاری آنکھوں کو خدا نے آنسوؤں کے لیے نہیں بنایا ہے۔ تمہاری آنکھوں کو ہنسنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ فلک! رونے کے لیے نہیں۔ تم روتی ہو تو مجھے لگتا ہے جیسے دنیا میں کچھ بھی باقی نہیں رہا جیسے دنیا ختم ہو گئی ہے۔"

اسے یاد آرہا تھا' یہ سب اسی شخص نے تو کہا تھا اور آج اس کو اس جیسے میرے آنسو نظر ہی نہیں آئے۔ آج میرے آنسو دیکھ کر کیا اس کے لیے دنیا ختم نہیں ہوئی؟ کیا اس کا سب کچھ باقی رہ گیا ہے۔

وہ یک دم سسک کر رونے لگی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹ کر لائٹ آف کر چکا تھا۔

"فار گاڈ سیک بند کرو یہ رونا دھونا۔ کیا چاہتی ہو تم' کیا میں یہاں نہ آیا کروں۔ کیا اس گھر سے چلا جاؤں کہیں۔"

وہ یک دم اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ بیڈ پر اپنا سر پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔ فلک نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ وہ اپنے بیڈ سے اٹھ کر اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"تمہیں میں اتنی بری کیوں لگنے لگی ہوں سلمان! بات کرتی ہوں تو تمہیں اچھا نہیں لگتا۔ ہنستی ہوں تو تمہیں برا لگتا ہے۔ روتی ہوں تو تم چلاتے ہو۔ اتنی نفرت کیوں ہو گئی ہے تمہیں مجھ سے تم ایسے تو کبھی بھی نہیں تھے۔ تم مجھے دیکھنا نہیں چاہتے میری آواز سننا نہیں چاہتے تم ایسے نہیں تھے۔ سلمان! تم کبھی بھی ایسے نہیں تھے۔"

اس نے بات کرتے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھ گیا تھا۔

"میں خود نہیں جانتا' مجھے کیا ہو گیا ہے۔"

اس نے فرج کے پاس جا کر پانی کی بوتل نکالی تھی اور اسے کھول کر پانی کے چند گھونٹ پیے۔ وہ بیڈ پر بیٹھی بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھتی رہی وہ اب بوتل ہاتھ میں لیے بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"کیا تم کسی اور سے محبت کرنے لگے ہو؟"

اس نے سانس روکتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔ وہ یک دم اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ اس کے چہرے پر شکست خوردگی تھی۔ تھکے تھکے قدموں سے وہ آکر اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ابھی تک سانس روکے پلکیں جھپکائے بغیر اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"کیا کوئی اور؟" اس نے ایک بار پھر پوچھنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

"ہاں فلک! میں کسی اور سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

اسے پہلی بار پتا چلا تھا' کانوں میں سیسہ اترنا کسے کہتے ہیں۔ وہ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھے گئی۔

"کیا فلک کے سوا سلمان انصر کو کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟ کیا فلک کے ہوتے ہوئے سلمان انصر کو کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟" وہ جیسے گنگ ہو گئی تھی۔

"اب کیا پوچھنا چاہیے؟ وہ کون ہے؟ کیسی ہے؟ پھر یہ کہ تمہیں اس سے محبت کیسے ہوئی؟ کیوں ہوئی؟ یا یہ کہ تم اس سے کہاں ملے؟ کیوں ملے؟ یا پھر یہ کہ

...تے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا؟ مجھے دھوکا کیوں ...؟"

وہ سوالوں کا انبار ذہن میں لیے سرد جسم کے ساتھ ...ہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں نہیں جانتا' یہ سب کیسے ہو گیا۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا' تمہارے ساتھ بے وفائی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ یقین کرو فلک! میں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔"

وہ سر ہاتھوں میں تھامے بول رہا تھا۔ وہ کسی مجسمے کی طرح اسے دیکھتی رہی۔

"وہ میری فیکٹری میں کام کرتی ہے' پیکنگ ڈپارٹمنٹ میں' اس کا نام تابندہ ہے۔" وہ اب ہاتھ سر سے ہٹا چکا تھا۔ انہیں اپنے سامنے پھیلائے وہ لکیریں دیکھ رہا ہے۔

"کیا وہ بہت خوب صورت ہے؟" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"خوب صورت؟ تم نہیں جانتیں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔ میں اسے اگر دن میں ایک بار نہ دیکھوں تو یقین کرو' میں کچھ اور دیکھنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ یقین کرو فلک! میں چاہوں بھی تو کچھ اور دیکھ نہیں پاتا۔ مجھے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ تم نے کبھی کسی چمگادڑ کو دن کے وقت دیکھا ہے فلک! میں اس کا چہرہ دیکھے بغیر بالکل ویسا ہی ہو جاتا ہوں۔"

وہ بول رہا تھا' فلک کا چہرہ آنسوؤں سے ایک بار پھر بھیگنے لگا تھا۔

"سلمان! کیا وہ تم سے' مجھ سے زیادہ محبت کرتی ہے؟" اس نے ڈوبتے ہوئے جہاز کے کسی بادبان کو کھینچنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں' وہ کرتی ہے' وہ دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ وہ یہی کہتی ہے اور مجھے اس کی باتوں پر یقین ہے۔" وہ اب اس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔

"کوئی تمہیں مجھ سے زیادہ کیسے چاہ سکتا ہے؟"

"وہ چاہتی ہے' تابندہ چاہتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔"

"وہ جھوٹ بولتی ہے سلمان! وہ غلط کہتی ہے۔" اس نے کسی ننھے بچے کی طرح روتے ہوئے سلمان کا ہاتھ پکڑا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔

"نہیں' وہ جھوٹ نہیں بولتی۔ تابندہ کبھی جھوٹ بول ہی نہیں سکتی۔ مجھے اس کے ایک ایک لفظ' ایک ایک حرف پر یقین ہے۔ میں نہیں جانتا' ایسا کیوں ہے مگر فلک! وہ بولتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے' اس پر اعتبار کرنے کو۔ میرا دل گواہی دیتا ہے اس کے ایک ایک لفظ کی سچائی کی۔ اس پر یقین کرنا یا نہ کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے جیسے اس سے محبت کرنا یا نہ کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔" وہ کسی آری کے ساتھ اسے کاٹ رہا تھا۔

"تم اس سے محبت کیسے کر سکتے ہو سلمان! تم تو مجھ سے محبت کرتے تھے۔" اس نے جیسے اسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے نہیں پتا میں تم سے محبت کرتا تھا یا نہیں مگر مجھے اس سے محبت ہے۔ نہیں محبت نہیں مجھے عشق ہے' یاد ہے۔ تم نے ایک بار کہا تھا فلک! محبت تو رگوں میں خون بن کر بہتی ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو مجھے پتا چلا' یہ کیسے ہوتا ہے۔ فلک! میں اسے دیکھتا ہوں تو ہپناٹائز ہو جاتا ہوں' وہ جو کہتی ہے میں وہی کرتا ہوں۔ وہ جو چاہتی ہے۔ مجھ سے وہی ہوتا ہے۔ میں اس کی آواز نہ سنوں تو مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی وہ ہنستی ہے تو اس کے ہر قہقہے کے ساتھ میرے دل کی ایک دھڑکن بڑھ جاتی ہے۔ وہ قدم اٹھائے تو میرا دل چاہتا ہے۔ میں زمین بن جاؤں۔ صرف اس لیے کہ اس کے پیروں کے نیچے آؤں وہ مجھ پر سے گزرے اس کے پیروں کو بھی اگر کوئی چیز چھوئے تو وہ میرا وجود ہو۔ وہ رکے تو میرا دل چاہتا ہے' دنیا کی ہر حرکت کرنے والی چیز کو روک دوں' ہر چیز کو چاہے وہ انسان ہو یا مشین یا پھر ہوا یا بہتا پانی۔ میں اسے سب کچھ دے دینا چاہتا ہوں' سب کچھ' ہر چیز جو میرے پاس ہے۔ میں اسے دے دینا چاہتا ہوں چاہے وہ اسے رکھے یا آگ لگا دے یا کسی کو دے دے۔ مجھے پروا نہیں بس میں اسے خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اسے جتانا چاہتا ہوں کہ مجھے' مجھے اس سے

عشق ہے۔ تم نہیں جانتیں فلک وہ اگر ایک خنجر لے کر میرے وجود کو کاٹنا شروع کر دے۔ ایک ایک پور' انگلی' ہاتھ' کلائی' بازو' کہنی' کندھا تو میں اسے اپنا ایک ایک حصہ دیتا رہوں گا۔ کسی ہچکچاہٹ' کسی اعتراض کے بغیر اسے حق ہے چاہے تو مارے چاہے تو کاٹے چاہے تو جلا دے۔ مگر سب اپنے ہاتھ سے کرے اپنے ہاتھ سے میں نہیں جانتا فلک' یہ سب کیسے ہوا ہے؟ کیوں ہوا ہے مگر یہ سب ہو چکا ہے۔ میں تابندہ کے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔ ہر چیز کے بغیر رہ سکتا ہوں۔ مگر اس کے بغیر نہیں۔ اس کے بغیر رہوں گا تو نہ مجھے کچھ نظر آئے گا' نہ میں کچھ سن سکوں گا نہ کچھ بول سکوں گا۔ میں ایسی زندگی گزارنا نہیں چاہتا فلک! میں ایسی زندگی گزارنا نہیں چاہتا فلک۔"

وہ اب رو رہا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا اس نے کبھی سلمان انصر کو روتے دیکھا ہو' یوں بلک بلک کر پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار اور اور وہ بھی ایک عورت کے لیے۔ ایک دوسری عورت کے لیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اسے بتائے کہ میرے لیے تم وہی سب کچھ ہو جو وہ تمہارے لیے ہو گئی ہے۔ میں بھی تمہیں دیکھے بغیر اندھی ہو جاتی ہوں۔ میں بھی تمہاری آواز سنے بغیر کچھ اور سننے کے قابل نہیں رہتی۔ میں بھی تم سے باتیں کیے بغیر کسی دوسرے سے بات نہیں کر سکتی پھر تمہیں یہ سب کچھ پتا کیوں نہیں چلا۔ مگر وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔

"میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں فلک! تم اجازت دو گی تو بھی' نہیں دو گی تو بھی میں اس سے شادی کر لوں گا۔ مگر میں چاہتا ہوں۔ یہ کام تمہاری رضامندی سے ہو۔ ہم دونوں نے بہت سا وقت اکٹھے گزارا ہے۔ اچھا وقت گزارا ہے۔ میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ میں تمہیں ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا مگر میں تابندہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم تو محبت کرتی ہو مجھ سے۔ جو محبت کرتے ہیں۔ وہ تو بہت بڑی بڑی قربانیاں دے دیتے ہیں۔ کیا تم مجھے اس سے شادی کی اجازت نہیں دے سکتیں۔"

وہ اب اس کا ہاتھ تھامے اس سے کہہ رہا تھا۔ صور اسرافیل کیسا ہو گا۔ وہ اب اندازہ لگا سکتی تھی۔

"میں بھی تو تم سے محبت کرتی ہوں' اتنی نہیں بلکہ اس سے زیادہ محبت جتنی وہ لڑکی تم سے کرتی ہے۔"

اس نے اپنے مہروں کو آگے بڑھانے کی آخری کوشش کی تھی۔ وہ مایوسی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"مگر مجھے تمہاری محبت کی ضرورت نہیں ہے' مجھے اس کی محبت کی ضرورت ہے۔"

"میں نے کون سی غلطی کی ہے سلمان؟"

"مجھے نہیں پتا بس مجھے اس سے محبت ہے۔"

"میں نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا' پچھلے تین سال میں کیا نہیں کیا؟"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے' مجھے بس وہ چاہیے۔"

"میں نے پچھلے تین سال میں زندگی کو ویسے گزارا ہے۔ جیسے تم نے چاہا ہے پھر بھی تم مجھ سے خوش نہیں ہو۔ بیزار ہو گئے ہو۔"

"تو میں کیا کروں' میں نے تم سے نہیں کہا تھا تم نے یہ سب اپنی مرضی سے کیا۔ مگر مجھے صرف تابندہ کی ضرورت ہے۔"

"تم مجھے بتاؤ۔ میں کیا کروں کہ تم خوش ہو جاؤ۔ مجھ سے محبت کرنے لگو مجھے ٹھکراؤ نہ؟"

"مجھے تمہاری ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے تمہاری کوئی بات کوئی چیز خوش نہیں کر سکتی کیونکہ تم تابندہ نہیں ہو۔"

"میں نے تم سے محبت کی ہے' جو محبت کرتے ہیں' کیا انہیں اس طرح ٹھوکر ماری جاتی ہے۔ کیا تم مجھے اس طرح چھوڑ دو گے؟"

"جو بھی چیز میرے اور تابندہ کے درمیان آئے گی' میں اسے چھوڑ دوں گا۔ مجھے پروا نہیں ہے کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے یا نہیں۔ میرے لیے بس وہ کافی ہے۔"

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

سے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تابندہ کی ضرورت ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ تمہیں بانٹنا نہیں چاہتی کسی کے ساتھ، تمہاری محبت میں کمی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"تم چاہو گی تو تمہیں طلاق نہیں دوں گا لیکن تمہیں مجھ سے دستبردار ہونا ہی پڑے گا۔ تابندہ کو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔"

"میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔ خودکشی کر لوں گی۔"

"یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا۔ تم جو چاہو کر سکتی ہو۔"

"تم نہیں جانتے تم میرے لیے کیا ہو؟"

"مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"تابندہ میں ایسا کیا ہے، جو مجھ میں نہیں ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا بس میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

"پھر تم نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟"

"پتا نہیں، مجھے نہیں کرنی چاہیے تھی، اگر مجھے علم ہوتا کہ میری زندگی میں تابندہ آئے گی تو میں کبھی تم سے شادی نہ کرتا۔"

"میرا وجود تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"نہیں، یہ میرے لیے۔ کچھ نہیں ہے سب کچھ تابندہ ہے۔"

ہر مہرہ باری باری پٹتا گیا تھا۔ اس کا سانس گھٹنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ لاؤنج میں خاموشی بھی تھی اور تاریکی بھی یہی دونوں چیزیں اس کے اندر تھیں۔ وہ لائٹ آن کر کے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

"دنیا میں تم سے زیادہ مکمل کوئی دوسری لڑکی نہیں ہے۔" بہت عرصہ پہلے سلمان کی کہی ہوئی ایک بات اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔

"اور اب مجھ سے زیادہ بہتر، زیادہ مکمل تمہیں کوئی دوسری مل گئی ہے۔"

اس نے اپنی آستین سے چہرہ رگڑا تھا۔ پھر اس کے دل میں پتا نہیں کیا آئی۔ وہ اٹھ کر واش روم میں آگئی۔ دیوار پر لگے ہوئے لمبے چوڑے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے آپ کو دیکھا تھا۔ پھر اس نے اپنے بالوں میں لگا ہوا کلپ اتار دیا۔ اس کے سیاہ سلکی اسٹیپس میں کٹے ہوئے بال کاندھوں پر بکھر گئے تھے۔ اس نے واش بیسن کے نل میں سے پانی لے کر چہرے پر چھینٹے مارے تھے، پھر تولیہ اسٹینڈ سے تولیہ لے کر چہرے کو خشک کیا۔

"کیا میں خوب صورت نہیں رہی؟" اس نے جیسے آئینے سے سوال کیا تھا۔ "کیا میں بدصورت ہو گئی ہوں؟ کیا میری آنکھیں اب دلوں کو تسخیر کرنے کے قابل نہیں رہیں؟ کیا میری مسکراہٹ اپنی کشش کھو چکی ہے؟ کیا میرے ہونٹ اور ناک حسن نہیں صرف گوشت کے لوتھڑے ہیں؟ کیا میری دودھیا رنگت میں کوئی فرق آگیا ہے؟" وہ ایک ایک چیز کو ہاتھ لگا کر سوچتی رہی۔

"کچھ بھی نہیں بدلا، کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ نہ آنکھیں نہ ہونٹ نہ رنگت، نہ ناک نہ چہرہ نہ بال نہ جسم کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ پھر اس کا دل کیسے بدل گیا ہے، نظر کیسے بدل گئی ہے۔"

اس نے آئینے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ آئینہ حسن دکھا رہا تھا سلک کی سلیولیس سفید نائٹی میں ملبوس سنگ مرمر سے تراشیدہ ایک وجود جو سر سے پاؤں تک حسن میں ڈھلا ہوا تھا۔

"کہیں کوئی عیب، کوئی نقص۔" اس نے تلاش کرنا شروع کیا تھا۔ "ہر چیز مکمل ہے پھر بھی اس نے مایوسی سے آئینے کو دیکھا تھا۔ "اگر عشق حسن سے ہوتا ہے تو میں حسن ہوں پھر وہ... وہ تابندہ۔"

ایک آگ اس کے وجود کو اپنے حصار میں لینے لگی تھی۔

"ہاں کوئی تو بات ہوگی اس میں، کوئی تو چیز ہوگی اس میں جو سلمان کو مجھ میں نہیں ملی جو اسے مجھ سے دور لے گئی۔ جس نے اس کا دل مجھ سے پھیر دیا۔ مجھے بھی تو دیکھنا چاہیے۔ کیا ہے اس عورت میں جس نے سلمان انصر کو یوں مسمرائز کر دیا ہے کہ اسے دنیا نظر نہیں آتی۔ فلک شیر افگن نظر نہیں آتی۔ مجھے بھی تو دیکھنا چاہیے۔ کیا ہے ان قدموں میں جن کے نیچے وہ

اپنے وجود کو مٹی بنا کر بکھیر دینا چاہتا ہے۔ صرف اس چاہ میں کہ وہ قدم اس مٹی کو چھوئیں۔ کیا وہ میرے پیروں سے زیادہ خوب صورت ہو سکتے ہیں۔"

اس نے اپنی نائٹی کو اٹھا کر جھک کر اپنے پیر دیکھے تھے۔ وہ اتنے ہی دودھیا، اتنے ہی نرم و نازک، اتنے ہی مکمل تھے جتنا اس کے وجود کا کوئی دوسرا حصہ۔

"مجھے بھی تو دیکھنا چاہیے، وہ کیسا وجود ہے جس کے نام وہ اپنی ساری زندگی کر دینا چاہتا ہے۔ وہ کیسے ہاتھ ہیں جو اسے خنجر سے کاٹ دیں تو اسے شکایت نہیں ہوگی۔ وہ کون سے ہونٹ ہیں جو بات کریں تو اسے دنیا میں کچھ اور سنائی نہیں دیتا، وہ کون سا وجود ہے جو رکے تو وہ ہوا کو روک دینا چاہتا ہے۔" وہ ایک بار پھر پگھل رہی تھی۔

"اور اگر وہ... وہ عورت مجھ سے زیادہ خوب صورت ہوئی تو... تو پھر میں کیا کروں گی۔ کیا اسے سلمان پر قابض ہونے دوں۔ کیا اس کا رستہ خالی چھوڑ دوں۔ میں کیا کروں گی۔ کیا کروں گی؟ ہاں میں اس حسن کو ختم کر دوں گی، جس نے سلمان کو پاگل بنا دیا ہے۔ میں اسے اس قابل نہیں چھوڑوں گی کہ وہ اسے دوبارہ دیکھے۔ دوبارہ اس کی طرف جائے۔ میں اس کا وہ چہرہ ہی بگاڑ دوں گی جس نے سلمان کو اپنا اسیر کیا ہے۔ وہ آنکھیں مٹا دوں گی جس نے۔"

وہ آئینے کے سامنے کھڑی کسی پاگل کی طرح خود سے باتیں کر رہی تھی۔

بہت دیر بعد وہ تھکے تھکے قدموں سے واش روم سے باہر نکل آئی تھی۔ لاؤنج کے صوفہ پر لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ آنسو ایک بار پھر چہرے پر پھیلنے لگے تھے۔

"تم جانتے ہی نہیں، تمہیں یا تمہاری محبت کو کھونے سے بڑھ کر کوئی نشتر نہیں ہے، جو کوئی مجھے لگا سکتا ہے۔ کیا نہیں ہے میرے پاس؟ سب کچھ ہی تو ہے۔ اب اگر نہیں ہے تو صرف تم نہیں ہو۔ میں تو تمہیں اپنے سائے کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی۔ کسی دوسری عورت کے ساتھ کیسے کر لوں۔ کیسے برداشت کر لوں کہ میرے علاوہ تم کسی اور سے بات کرو۔ کسی عورت کا ہاتھ تھامو۔ کسی اور کے آنسو پونچھو۔ کسی اور کو اپنا نام دو۔ تابندہ سلمان! نہیں میں تو تمہارے لباس کی ایک دھجی تک کسی کو نہیں دے سکتی۔ تمہارے پورے وجود کو کس طرح دے دوں اور وہ بھی اپنے ہاتھ، اپنی مرضی سے یہ نہیں کر سکتی۔ سلمان انصر! بس میں یہ نہیں کر سکتی۔ تمہارے بدلے چاہے کوئی مجھ سے سب کچھ لے لے مگر مجھے تمہارا وجود چاہیے۔ تمہیں میں کسی کو نہیں دے سکتی۔ اس عورت کو کیا محبت ہوگی تم سے اس کو تو پیسہ چاہیے ہوگا۔ میں اسے پیسہ ہی دوں گی۔ تمہیں خرید لوں گی اس سے اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میں اس کے چہرے کو تیزاب سے جلا دوں گی۔ اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گی کہ تم دوبارہ کبھی اس پر نظر ڈالو۔" وہ روتے روتے پتا نہیں کس وقت سو گئی تھی۔

*_*_*

صبح جس وقت اس کی آنکھ کھلی، گھر میں نوکر آ چکے تھے۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی، کمرہ خالی تھا۔ وہ وہاں نہیں تھا، اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں آ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح آنکھیں کھولے چھت کو گھورتی ہوئی وہاں پڑی رہی پھر وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔ شاور لینے کے بعد خاص طور پر منتخب کیے ہوئے کپڑے پہن کر وہ باہر نکلی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اس نے اپنے بالوں میں رولرز لگانے شروع کیے وہ آج بہت خاص بن کر وہاں جانا چاہتی تھی۔ بہت ہی خاص بن کر وہ اس عورت کو دکھانا چاہتی تھی کہ سلمان انصر کی بیوی کیا ہے، فلک کیا ہے۔

آدھ گھنٹے بعد میک اپ مکمل کرنے کے بعد اس نے رولرز اتار کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا تھا۔ بہت دیر تک وہ اپنے عکس سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ زمردی رنگ کی سلک کی ساڑھی اور ڈارک گرین کلر کے کھلے گلے کے نیٹ کے بلاؤز میں وہ ایک مکمل عورت لگ رہی تھی۔ کسی خامی کسی کمی کے بغیر۔ اس نے بہت سنجیدگی سے ایک بار پھر خود پر

نظریں دوڑائی تھیں پھر اس نے Chanel No-5 نکال کر گردن کے دونوں اطراف میں اس کا اسپرے کیا۔ پرس اور گلاسز اٹھا کر وہ بیڈ روم سے نکل آئی تھی۔

"راستے میں سے تیزاب کی ایک بوتل خرید لینا۔"

فیکٹری چلنے کا حکم دینے کے بعد اس نے ڈرائیور سے کہا تھا۔ ڈرائیور نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ مگر جواباً کچھ نہیں کہا۔ ایک دکان سے تیزاب کی بوتل خریدنے کے بعد اس نے فلک کو تھما دی۔ اس نے کچھ دیر تک اسے ہاتھ میں تھامے رکھا تھا۔ پھر اس کا ڈھکنا کھول کر کارک نکال دیا۔ بوتل کا ڈھکن بند کر کے اس نے اسے اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا۔ فیکٹری پہنچنے کے بعد وہ سلمان کے آفس کی طرف نہیں گئی تھی بلکہ ایڈمن آفیسر کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

الیاس صاحب اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر گڑبڑا گئے تھے۔

"میڈم! آپ یہاں؟"

"ہاں، مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ آپ بیٹھ جائیں۔"

وہ خود کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔ الیاس صاحب کچھ نروس ہو کر بیٹھ گئے۔

"پیکنگ ڈپارٹمنٹ میں تابندہ نام کی کوئی لڑکی ہے؟"

چند لمحے دفتر کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بہت سرد لہجے میں ان سے پوچھا تھا۔ وہ اس کے سوال پر کچھ اور نروس ہو گئے تھے۔

"میڈم! وہاں تو بہت سی لڑکیاں ہوں گی، جن کے نام تابندہ ہیں آپ کس لڑکی کا پوچھ رہی ہیں؟" اس نے اپنی نظریں ان کے چہرے پر گاڑ دیں۔ وہ اور پریشان ہوئے تھے۔

"میں سلمان انصر والی تابندہ کا پوچھ رہی ہوں۔" اتنے ڈائریکٹ ریفرنس پر ان کے چہرے پر پسینے آنے لگے تھے۔

"کیوں کیا یہاں ایسی کوئی لڑکی نہیں ہے، جس کے ساتھ سلمان انصر۔" اس نے تلخ لہجے میں کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"میڈم! دیکھیں، مجھے تو اس بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔ میں تو۔"

اس نے ان کی بات کاٹ دی تھی، "اگر مجھے گھر میں بیٹھ کر اس چکر کا پتا چل سکتا ہے تو میں یہ تو نہیں مان سکتی کہ آپ کو ان سب باتوں کا پتا نہ ہو۔ آفٹر آل آپ ایڈمن آفیسر ہیں۔ باس اور ورکرز کے روابط کا آپ کو پتا نہیں ہو گا تو کس کو پتا ہو گا۔ بہرحال، میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی ہوں۔ میں صرف اس لڑکی سے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ اسے بلوائیں۔"

اس نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔ اس بار الیاس صاحب کے چہرے پر ندامت نمایاں تھی۔

"میڈم! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں لیکن میں بے بس تھا۔ میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ ورکر کو تو سمجھا سکتے ہیں مگر باس کو نہیں۔ میں نے سلمان صاحب سے بات کی تھی کہ ان کے اور اس لڑکی کے بارے میں بہت سی باتیں ہو رہی ہیں، مگر انہیں اس کی پروا ہی نہیں ہے۔ وہ اسے ہر روز چھٹی کے وقت ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ وہ پیکنگ کا کام کرتی تھی مگر سلمان صاحب نے اسے اس شعبہ کا انچارج بنا دیا ہے۔ میرے بات کرنے پر صاحب نے مجھے بری طرح جھڑک دیا ان کا خیال ہے کہ مجھے ان سب چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے صرف اپنے کام سے کام ہونا چاہیے۔"

الیاس صاحب نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔

"آپ اسے بلائیں۔" اس نے ایک بار پھر ان سے کہا تھا۔ انہوں نے بیل بجا کر چپڑاسی کو بلایا اور پھر اسے اس لڑکی کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔

چپڑاسی کے جانے کے بعد انہوں نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔

"میں یہاں آپ کی وضاحتوں کے لیے نہیں آئی ہوں، آپ خاموش رہیں۔" اس نے بڑے خشک لہجے میں ان سے کہا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ سر جھکا کر رہ گئے۔ وہ تیز ہوتی ہوئی دھڑکن کے ساتھ اس لڑکی کا انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ بے اختیار اپنی سیٹ سے کھڑی ہو کر پیچھے مڑی تھی اور پھر جیسے وہ پتھر کی ہو گئی تھی۔

"سر! آپ نے مجھے بلوایا ہے؟" اس نے الیاس صاحب سے کہا تھا۔

"ہاں میڈم تم سے......"

"اسے بھجوا دیں۔" وہ جیسے کسی پاتال سے بولی تھی۔ سب کچھ دھواں دھواں ہوتا جا رہا تھا۔ اسے اپنا جسم مفلوج ہوتا ہوا لگا تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے فلک کو دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ سانس روکے بے حس و حرکت کسی مجسمے کی طرح ابھی تک ویسے ہی کھڑی تھی۔

"تم جانتیں نہیں وہ کیا ہے۔ میں اگر اسے نہ دیکھوں تو میں کچھ اور دیکھنے کے قابل نہیں رہتا۔ تم نے کبھی کسی چمگادڑ کو دن کے وقت دیکھا ہے۔ میں اس کا چہرہ دیکھے بغیر بالکل ویسا ہی ہو جاتا ہوں۔" اس کے کانوں میں کسی کی آواز آ رہی تھی۔

"یاد ہے تم نے ایک بار کہا تھا فلک! محبت تو لوگوں میں خون بن کر بہتی ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو مجھے پتا چلا، یہ کیسے ہوتا ہے۔ وہ قدم اٹھائے تو میرا دل چاہتا ہے۔ میں زمین بن جاؤں تاکہ اس کے پیروں کو بھی اگر کوئی چیز چھوئے تو وہ میرا وجود ہو۔ تم نہیں جانتیں فلک! وہ اگر ایک خنجر لے کر میرے وجود کو کاٹنا شروع کر دے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اسے حق ہے چاہے تو مارے، چاہے تو کاٹے چاہے تو جلا دے۔ مگر سب اپنے ہاتھ سے کرے"۔ ہر لفظ اس کے چہرے کو تاریک کرتا جا رہا تھا۔

"ہر ایک کو بھکاری بنا کر رستے میں بٹھایا ہوا ہے اور ہر ایک خود کو مالک سمجھتا ہے جب تک ٹھوکر نہیں لگتی، جب تک گھٹنوں پر نہیں گرتا اپنی اوقات کا پتا ہی نہیں چلتا۔ وجود کے نصیب میں ہے بھکاری ہونا بس ذات بھکاری نہیں ہوتی۔ وجود کے مقدر میں مانگنا ہے۔ ذات کا وصف دینا ہے۔ میں تو کیا بی بی! سب بھکاری ہیں۔ آج نہیں تو کل کل نہیں تو پرسوں کبھی نہ کبھی تو بھکاری بننا ہی پڑتا ہے۔ مانگنا ہی ہوتا ہے۔ کوئی عشق مانگتا ہے کوئی دنیا اور جو یہ نہیں مانگتا وہ خواہش کا ختم ہو جانا مانگتا ہے۔"

اس کا وجود جیسے کسی زلزلے کی زد میں تھا۔

"اس کی نظر میں جو ایک بار آ جاتا ہے۔ ہمیشہ رہتا ہے اور اس نظر کو کیچڑ کی پروا نہیں ہوتی۔"

چھ ماہ پہلے دریا کے کنارے اس فقیر کے کہے گئے لفظ اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

"ہاں، ساری بات نظر ہی کی تو ہے۔ جس سے اس نے مجھے محروم کر دیا ہے اور اس عورت کو نواز دیا ہے ورنہ سلمان انصر کبھی اس عورت کو تو نہ چاہتا۔ مگر یہ تو اللہ ہے نا جس نے میرے چہرے سے نظر اٹھا لی ہے پھر سلمان انصر کو کیا نظر آئے۔" وہ بڑبڑانے لگی تھی۔

"میڈم! آپ ٹھیک تو ہیں؟"

اسے الیاس صاحب کی آواز آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔ الیاس صاحب کو اس کی آنکھوں میں وحشت کا ایک عجیب عالم نظر آیا تھا۔ وہ نارمل نہیں لگ رہی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ کہے بغیر انہیں دیکھتی رہی پھر کرسی سے اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

"مرد تو دروازہ ہے۔ دروازے کا کام رستہ دینا ہوتا ہے یا رستہ روکنا۔ تیرا رستہ اس نے روک دیا ہے۔ تیرا ہی کیا ہر عورت کا رستہ اس نے روک دیا ہے۔ آگے جانے ہی نہیں دیتا۔ اسے لے کر کیا کرے گی تو۔ یہ کل نہیں ہے بی بی! یہ کل نہیں ہے۔ تو کل کی خواہش کیوں نہیں کرتی وجود کی طلب کیوں ہے۔ تجھے ذات کی چاہ کیوں نہیں ہے۔"

ذہن کی دیوار پر کچھ لفظ بار بار ابھر رہے تھے۔ ایک آواز بار بار گونج رہی تھی وہ چپ چاپ [illegible] گھر آ گئی تھی۔ کمرے میں آ کر اس نے ایک [illegible] بھننا شروع کر دیا تھا۔ کسی جنونی کی [illegible] گئی تھی۔ کاٹن کا ایک سوٹ [illegible] واش روم سے کمرے میں [illegible] طرف چیزیں بکھری [illegible] انگوٹھیاں، بریسلیٹ [illegible]

سے ان سب چیزوں کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر صوفہ سے ٹیک لگا کر کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ ٹیوب لائٹس کی روشنی کمرے میں بکھری ہوئی جیولری کو چمکا رہی تھی۔ وہ کسی بت کی طرح ان پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔ وہ نہیں جانتی، کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

*_*_*

وہ رات کے وقت واپس گھر آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ کمرے میں بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔ وہ صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔

"تم آج فیکٹری آئی تھیں؟" اپنا بریف کیس بیڈ پر اچھال کر وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اسے پیروں سے سر تک اس کے دراز قد و جود کو دیکھا تھا۔

"تم تابندہ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟" اس بار اس کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ جارحانہ تھا۔

وہ اس کے چہرے کو دیکھتی رہی تھی۔ خاموشی سے بنا پلکیں جھپکائے۔

"میں تمہیں اجازت دیتی ہوں سلمان! تم تابندہ سے شادی کر لو۔"

چند لمحے بعد جب وہ بولی تھی تو اس کا جواب سلمان کو حیران کر گیا تھا۔ وہ اب اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر وہ لاؤنج میں آ گئی تھی۔ فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے اپنے گھر کا نمبر ملانا شروع کیا تھا۔

"او فلک! یہ تم ہو۔ اس وقت کس لیے فون کیا ہے؟ خیریت تو ہے؟ خاموش کیوں ہو؟"

اس کی ممی نے فون اٹھاتے ہی اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"ممی! آپ کہتی تھیں۔ آپ نے مجھے زندگی میں سب کچھ سکھایا ہے۔ کبھی کسی چیز کی کمی نہیں، نہیں رکھی۔ آپ جھوٹ بولتی ہیں ممی! آپ نے مجھے سب سے بڑی۔ سب سے اہم چیز نہیں سکھائی۔"

وہ بول رہی تھی "کیا ہوا! میری جان کیا نہیں سکھایا۔ تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟"

"ممی! آپ نے مجھے اللہ سے۔ اللہ سے محبت کرنا نہیں سکھایا۔ آپ نے۔ آپ نے مجھے اس کو ڈھونڈنا نہیں سکھایا۔ آپ نے مجھے کنگال کر دیا ممی۔ آپ نے مجھے بھکاری بنا دیا۔ ایسا کیوں کیا ممی! ایسا کیوں کیا۔"

وہ اب چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی۔ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

"آپ نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ ممی! مجھے تو کوئی اٹھانے والا ہی نہیں رہا۔ آپ نے مجھے دنیا میں اکیلا کر دیا۔ ممی آپ نے مجھ پر ظلم کیا۔"

وہ پاگلوں کی طرح چیختی جا رہی تھی۔ گھر کے ملازم لاؤنج میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس کی چیخوں کی آواز سن کر سلمان بھی لاؤنج میں آ گیا تھا۔ ریسیور اب اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ وہ نیم غشی کے عالم میں اب بھی وہی چلا رہی تھی۔

"مجھے اللہ کی محبت نہیں دی۔ مجھے۔۔۔ مجھے اس کو ڈھونڈنا نہیں سکھایا مجھے۔ مجھے گرا دیا۔ اس کی نظر سے گرا دیا۔"

*_*_*

اس نے بہت آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دی تھیں کمرے میں اس کے بیڈ کے پاس ممی بیٹھی تھیں اور تھوڑی دور کچھ فاصلے پر ایک آدمی پاپا کے پاس کھڑا تھا، وہ اس سے کچھ باتیں کر رہے تھے اس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن ذہن ابھی بھی غنودگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

"کمرہ۔۔۔ یہ کون سا کمرہ ہے۔ ہاں یاد آیا، یہ تو میرا کمرہ ہے۔ اپنے گھر میں یعنی میں سلمان کے گھر میں نہیں ہوں۔"

اس نے آہستہ آہستہ ہر چیز کو پہچاننا شروع کر دیا تھا۔ کسی نے بھی اس کے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے اعصاب پر ایک عجیب نشہ آور کیفیت سوار تھی۔ تھوڑی دیر بعد پاپا اور وہ آدمی اس کے پاس آ گئے تھے پھر اس نے اپنے بازو میں ہلکی سی چبھن محسوس کی تھی اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"دس پندرہ منٹ تک یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔

آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی ہیں۔ میرا خیال ہے۔ اب یہ پہلے کی طرح نہیں چیخیں گی۔" اس نے اپنے کانوں میں کسی کی آواز سنی تھی۔ شاید اسی آدمی کی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ غنودگی بڑھتی جا رہی تھی۔ پلکیں اور بوجھل ہو گئی تھیں۔

دوبارہ جب اسے ہوش آیا تھا۔ تب بھی کمرے میں وہی لوگ تھے۔ ممی، پاپا اور وہ آدمی مگر اب اسے آنکھیں کھلی رکھنے میں دقت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور کچھ دیر سب کو دیکھنے کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ممی نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر اس آدمی نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

"یہ اب بالکل ٹھیک ہیں اور اگر اٹھ کر بیٹھنا چاہتی ہیں تو انہیں بیٹھنے دیں بلکہ چلنے پھرنے دیں باہر جانے دیں، اس بستر میں قید کرنے کی کوشش نہ کریں انہیں ایسی کوئی تکلیف نہیں ہے کہ جو چلنے پھرنے یا اٹھنے بیٹھنے سے بڑھ جائے۔"

اس آدمی نے ممی سے کہا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

وہ آدمی اب اس سے مخاطب تھا۔ وہ سپاٹ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد بولی تھی۔ ایک بار پھر اسے سب کچھ یاد آنا شروع ہو گیا تھا۔

"میرا خیال ہے، انہیں ابھی فی الحال میری مزید ضرورت نہیں ہے۔ آپ تھوڑی دیر بعد ان کی مرضی پوچھ کر انہیں ہلکا پھلکا کھانا کھلا دیں۔ یہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ میں اب کل صبح انہیں دیکھنے آؤں گا۔"

اس آدمی نے کہا تھا اور پھر وہ ایک بیگ پکڑ کر پاپا کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ ممی اٹھ کر اس کے پاس بیڈ پر آ گئیں۔ انہوں نے اسے گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ تمہیں ہوش آ گیا ہے۔"

"اب اس ہوش کا کیا فائدہ؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔ ممی اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

"مجھے کیا ہوا تھا؟" اس نے ان سے پوچھا تھا۔

"تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ ایک ہفتہ تمہیں ہاسپٹل میں رکھا تھا پھر گھر لے آئے۔ تمہیں جب بھی ہوش آتا تھا۔ تم چلانے لگتی تھیں۔ تمہیں مسلسل ٹرینکولائزرز پر رکھا ہوا تھا۔ کیا ہوا ہے فلک؟ ایسی کون سی بات ہو گئی تھی جسے تم نے اپنے اعصاب پر اس طرح سوار کر لیا۔ کیا سلمان سے کوئی جھگڑا ہوا تھا؟" وہ اب دھیمی آواز میں اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں، کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ مجھے باہر لے جائیں۔ باہر لان میں، میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔"

وہ یک دم بیڈ سے اٹھنے لگی تھی۔ اس کی ممی نے اس کا بازو تھام لیا۔ زمین پر قدم رکھتے ہی وہ چکرائی تھی۔ ممی نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔ چند منٹوں بعد اس نے ایک بار پھر کھڑے ہونے کی کوشش کی تھی اس بار وہ اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گئی۔ ممی کے ساتھ چلتے ہوئے وہ باہر لان میں آ گئی تھی۔ ممی نے اسے لان میں رکھی ہوئی کرسیوں پر بٹھا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اندر جا کر اس کے لیے کچھ پھل اور جوس لے آئیں۔ اس نے جوس کا گلاس خود ہی اٹھا کر پی لیا تھا پھر وہ سیب کی قاشیں کھاتی رہی۔

اب اندر چلیں۔؟

ممی نے کچھ دیر بعد اس سے پوچھا تھا۔ شام کے سائے بڑھ رہے تھے۔

"نہیں، ابھی مجھے یہیں بیٹھنا ہے۔"

وہ اسی طرح کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھ رہی تھی۔ میمونہ اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ وہ پہلے جیسی فلک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے تھے اور آنکھوں کی چمک بجھ گئی تھی۔ دودھیا رنگت زردی مائل ہو گئی تھی۔ وہ کسی بت کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دیوار پر چڑھی ہوئی بوگن ویلیا کی بیل کو دیکھ رہی تھی۔

"ممی!" اس کی آواز جیسے کہیں دور سے آئی تھی۔ میمونہ چونک گئیں اس نے ایک بار پھر انہیں پکارا۔

"ممی! یہ مرد عورت کے لیے کیا ہوتا ہے؟" میمونہ

ں کے سوال کو سمجھ نہیں پائی تھیں۔ وہ ابھی بھی گن ویلیا کو گھور رہی تھی۔

"پتا ہے ممی! مرد عورت کے لیے کیا ہوتا ہے۔ روازہ ہوتا ہے۔ دروازے کا کام رستہ روکنا ہوتا ہے یا رستہ دینا اور ممی اس دروازے نے میرا رستہ روک لیا ہے۔ میرا ہی نہیں ہر عورت کا رستہ روک لیا ہے۔ آگے جانے ہی نہیں دیتا۔ آج تک آگے جانے نہیں دیا۔ اسی لیے تو عورت پیغمبر ہوتی ہے نہ ولی۔ وہ دروازہ کھولنے کی کوشش ہی نہیں کرتی' وہیں اسی دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی رہتی ہے۔ اسے ہی چومتی رہتی ہے سجدہ کرتی رہتی ہے۔ دروازہ پھر رستہ کیوں نہ روکے۔"

وہ اب بوگن ویلیا کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی اور اس کی باتیں میمونہ کو باہر سے اندر تک ہلا رہی تھیں۔

"فلک! کیا کہہ رہی ہو تم۔ کیوں اس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟"

"پتا ہے ممی! عورت بیل کی طرح ہوتی ہے اور مرد دیوار کی طرح۔ بیل ساری عمر دیوار کو ڈھونڈتی رہتی ہے جس کے سہارے وہ اوپر جاسکے نظروں میں آسکے جہاں تک دیوار جاتی ہے۔ وہ بھی بس وہیں تک جاتی ہے۔ بیل کو لگتا ہے دیوار نہ ہوتی تو وہ زمین پر رلتی رہتی لوگوں کے پیروں تلے آتی' نگران کی نظروں میں نہیں آتی۔ وہ ساری عمر دیوار کی مشکور رہتی ہے۔ اسے سایہ دیتی ہے۔ اپنے پھولوں سے سجاتی ہے' مہکاتی ہے جب سوکھنے لگتی ہے تو بھی ساتھ ہی چپکی رہتی ہے۔ کسی چھپکلی کی طرح۔ ختم ہونے کے بعد بھی اسے دیوار کے علاوہ کسی دوسرے کا سہارا نہیں چاہیے اور دیوار...... ممی! دیکھیں دیوار کو کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ اس کا وجود بیل ڈھک دیتی ہے۔ اس کے سامنے ایک آڑ بنا دیتی ہے ہر چیز سے اسے محفوظ کر دیتی ہے۔ اسے سایہ دیتی ہے۔ رونق دیتی ہے پھولوں سے سجاتی ہے مہکاتی ہے اور خود ختم ہونے تک اس کی احسان مند رہتی ہے اور دیوار وہ تو بس سہارا دینے کا فائدہ اٹھاتی ہے بس سہارا دینے کا اور ساری عمر...... ممی! دیکھیں ساری عمر جب تک بیل ختم نہیں ہو جاتی۔"

"فلک! تم اندر چلو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ شام ہو رہی ہے۔" میمونہ نے ایک بار پھر اس کی توجہ اس بیل سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

"ممی! آپ کو پتا ہے' عورت ایک مرد' صرف ایک مرد کو پانے کے لیے کیا کیا جتن کرتی ہے۔ ایک خوب صورت' جوان' دولت مند مرد کو پانے کے لیے۔"

"فلک! تم اب یہ باتیں۔"

"خود کو سجاتی ہے سنوارتی ہے۔ ترغیب بن کر پھرتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اگر کسی کے خواب ہوتے ہیں تو اسی کے۔ اس کے ذہن میں کسی کا تصور ہوتا ہے تو اسی کا۔ ایک من چاہے مرد کو تاعمر حاصل کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتی ہے سب کچھ۔"

"فلک! میری جان! اس طرح مت۔"

"چاہے کسی کے خواب اجاڑنے پڑیں یا آرزوئیں۔ کسی کے دل کو روندنا پڑے یا دماغ کو ٹھوکر مارنی پڑے۔ خاندان کو رسوا کرنا پڑے یا اپنے وجود کو۔ وہ سب کچھ کرتی ہے۔ ایک مرد کے لیے سب کچھ کرتی ہے۔"

"فلک! اندر چلو دیکھو۔"

"پھر جب وہ مرد اسے مل جاتا ہے تو اسے لگتا ہے۔ اسے پوری دنیا مل گئی ہے۔ ہر چیز جیسے اپنے ٹھکانے پر آگئی ہے۔ سب کچھ جیسے مکمل ہو گیا ہے۔ اس کے لیے وہ مرد بس وہ مرد سب کچھ ہوتا ہے۔ ان داتا' مالک' آقا سب کچھ۔ اسے لگتا ہے زندگی میں اب اسے جو کچھ ملنا ہے۔ اسی کے طفیل ملنا ہے۔ اسی کے سہارے ملنا ہے۔ اسی سے ملنا ہے۔ اس کی زندگی کا واحد مقصد اس کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ وہ دن کو رات کہے تو وہ رات کہتی ہے' وہ آگ کو پانی کہے تو وہ پانی کہتی ہے۔ اسے لگتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس کے وجود کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ اس کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ بس وہ مرد ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ آنکھ' کان' ناک' منہ' پیر' ہاتھ' دل' دماغ سب کچھ وہی ہوتا ہے۔ اسے لگتا ہے' رزق

اللہ نے نہیں دینا اس مرد نے دینا ہے اور پھر...... پھر جب وہ مرد اسے چھوڑ دیتا ہے۔ ٹھوکر مار دیتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ دنیا میں کچھ رہا ہی نہیں۔ بس دنیا اس ایک مرد کی وجہ سے ہی تو قائم تھی۔ وہ نہیں تو دنیا نہیں یوں جیسے سارا نظام ہی ختم ہو گیا ہو۔ اسے اللہ یاد ہی نہیں آتا۔ اسے یاد ہی نہیں آتا کہ اللہ نے اسے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے...... مرد کی عبادت کے لیے نہیں' اپنی چاہ کے لیے پیدا کیا ہے۔ مرد کی چاہ کے لیے نہیں اور عورت تو عورت تو...... ایک مرد کے لیے مرتی ہے۔ اسے مرد سے آگے تو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اللہ چھوڑ دے اسے پروا نہیں مگر وہ ایک مرد چھوڑ دے تو وہ مر جاتی ہے۔ اللہ اس سے محبت نہ کرے تو اسے فکر نہیں مگر وہ مرد محبت کرنا چھوڑ دے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ ناراض ہو جائے تو اسے دھیان نہیں آتا مگر مرد ناراض ہو جائے تو وہ سولی پر لٹک جاتی ہے۔ مرد کو منانے کے لیے وہ دو جہاں ایک کر دیتی ہے اور اللہ کو منانے کے لیے وہ ایک مرد نہیں چھوڑ سکتی۔ مرد کو منانے کے لیے وہ ہر رشتہ چھوڑنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ ماں کا' باپ کا بہن بھائی کا۔ ہر ایک کا۔ اور اللہ کے لیے۔"

"فلک! اب بس چپ ہو جاؤ کچھ نہ کہو۔ اس طرح کی باتیں کہاں سے سیکھ لی ہیں تم نے۔" میمونہ اب روہانسی ہو گئی تھیں۔

"ممی! میں نے اس سے کہا۔ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔ ہر چیز سے زیادہ محبت۔ اس نے کہا مجھے اس کی پروا نہیں۔ اگر میں اللہ سے یہ کہتی تو کیا وہ بھی یہی جواب دیتا۔ میں نے اس سے کہا۔ میں نے کون سی غلطی کی ہے؟" اس نے کہا "میں نہیں جانتا۔" میں اللہ سے یہ پوچھتی تو کیا وہ میرے سوال کا جواب نہ دیتا؟ میں نے اس سے کہا۔ میں نے تمہارے لیے پچھلے تین سال میں کیا نہیں کیا۔ اس نے کہا۔ مجھے اس کی پروا نہیں' اگر میں اللہ کے لیے کچھ کرتی تو کیا اللہ کو بھی پروا نہ ہوتی؟۔ میں نے اس سے کہا۔ میں نے پچھلے تین سال ویسے زندگی گزاری ہے جیسے تم چاہتے تھے۔ اس نے کہا میں کیا کروں۔ میں تین سال اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتی تو کیا اللہ یہ کہتا۔؟ میں نے اس سے کہا۔ تم مجھے بتاؤ میں کیا کروں کہ تم خوش ہو جاؤ۔ مجھ سے محبت کرنے لگو۔ اس نے کہا مجھے تمہاری ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے تمہاری کوئی بات' کوئی چیز خوش نہیں کر سکتی۔ میں اللہ سے یہ کہتی تو کیا وہ بھی یہی کہتا؟ ممی اللہ اور انسان میں یہی فرق ہے اللہ ٹھوکر نہیں مارتا انسان بس ٹھوکر ہی مارتا ہے۔

مرد کو خوش کرنے کے لیے کیا کیا کرتی ہے عورت۔ اندر بدل دیتی ہے' باہر بدل دیتی ہے۔ دل بدل دیتی ہے۔ وجود بدل دیتی ہے' صرف اس لیے کہ وہ خوش رہے۔ ناراض نہ ہو' اس کی نظر نہ بدلے۔ اللہ کو خوش کرنے کے لیے وہ باطن کیا ظاہر کو بدلنے پر تیار نہیں ہوتی۔ اللہ کہتا ہے۔ سر کو ڈھانپ لو۔ مرد کہتا ہے۔ سر کو مت ڈھانپو۔ میری بیوی کو ماڈرن ہونا چاہیے۔ وہ اللہ کی نہیں سنتی۔ مرد کی سنتی ہے۔ اللہ کہتا ہے اپنے وجود کو ڈھانپو' اپنی زینتوں کو چھپاؤ' مرد کہتا ہے ایسا مت کرو تاکہ میرے ساتھ چلتی پھرتی اچھی لگو۔ وہ اللہ کی نہیں مانتی۔ مرد کی مانتی ہے' وہ کہتی ہے مرد کے ساتھ رہنا ہے۔ ساری عمر بسر کرنی ہے' اس کی نہیں مانیں گے تو کس کی مانیں گے۔ مرد کی بیوی ہے' یہ رشتہ تو کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اللہ کی تو مخلوق ہے یہ رشتہ تو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ وہ دائمی رشتہ کی فکر نہیں کرتی۔ ساری عمر عارضی رشتوں کو روتی رہتی ہے۔ ان کی فکر کرتی ہے۔ اللہ نے تو عورت کو غلام نہیں بنایا۔ مجبور نہیں بنایا۔ محکوم نہیں بنایا۔ اس نے خود بنا لیا ہے' اپنا محور "ذات" کو نہیں "وجود" کو بنا لیا ہے۔"

میمونہ نے اس کے گالوں پر آنسوؤں کو بہتے دیکھا تھا۔

"فلک! فلک! مت روؤ میری جان۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں پھر تم۔"

"ممی! مجھے کچھ نہیں ہوا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں بس رونا چاہتی ہوں۔ آپ نے کبھی کیکڑے کو دیکھا ہے؟ ممی! مجھے اپنا وجود ایک کیکڑا لگتا ہے۔ محتاج' بے

کس مجبور۔"

اس نے چہرے کو ہاتھوں میں چھپالیا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آتا ممی چھبیس سال۔ پورے چھبیس سال میں اللہ کے بغیر کیسے رہتی رہی ہوں۔ چھبیس سال اللہ مجھے کیسے برداشت کرتا رہا ہے۔ میرے غرور' میرے فخر' میری انا' میری خود پرستی۔ ممی! کیسے... آخر کیسے وہ یہ سب نظرانداز کرتا ہے۔ جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ ان پر آزمائشیں ڈالتا ہے۔ چھبیس سال تک اسے میرا خیال ہی نہیں آیا۔ سب کچھ دیتا رہا بغیر مانگے بغیر چاہے کسی مصیبت' کسی تکلیف' کسی تنگی کسی آزمائش کے بغیر یعنی چھبیس سال تک میں اللہ کی محبت کے بغیر جیتی رہی اور آپ سب مجھ پر رشک کرتے رہے۔ میرے مقدر پر۔"

وہ گھٹنوں کے بل چہرے کو ہاتھوں میں چھپائے لان میں بیٹھ گئی تھی۔ ایک بار پھر وہ اسی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میں انسانوں کی محبت پر شاکر رہی۔ بس انسانوں کی محبت پر... مجھے اللہ کا خیال ہی نہیں آیا۔ آپ نے ظلم کیا مجھ پر ممی! آپ نے ظلم کیا۔"

میمونہ گم صم اسے بلکتے ہوئے دیکھتی جا رہی تھیں۔ ان کا وجود کسی گلیشیئر کی طرح سرد ہوتا جا رہا تھا۔

*_*_*

سلمان کی تابندہ کے ساتھ شادی دونوں خاندانوں کے لیے ایک دھماکے سے کم نہ تھی۔ فلک کی ذہنی کیفیت کی وجہ اب سب کی سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ چند ہفتے فلک کی خیریت دریافت کرنے آتا رہا تھا اور پھر یک دم اس نے آنا چھوڑ دیا تھا پھر فلک کے والدین کو اس کی دوسری شادی کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ سلمان کے پاس گئے تھے اور انہوں نے اسے بے نقط سنائی تھیں۔

"میں نے فلک سے دوسری شادی کی اجازت لی ہے۔ آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں۔"

وہ بے حد مطمئن تھا۔ میمونہ اور شیر افگن جلے بھنے گھر واپس آگئے تھے۔

"تم نے اسے دوسری شادی کی اجازت کیوں دی۔ تمہیں یہ سب کچھ ہمیں بتانا چاہیے تھا۔ میں دیکھتا۔ وہ کیسے اس عورت سے شادی کرتا ہے۔ میں ان دونوں کو گولی نہ مروا دیتا تو پھر کہتیں تم۔ مگر تم نے اجازت کیوں دی۔؟"

شیر افگن گھر آکر اس پر بگڑنے لگے تھے۔ وہ اس خبر پر بالکل نارمل تھی یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

"مجھے کیا فرق پڑتا ہے پاپا! وہ جس سے چاہے شادی کرے۔ میرے لیے "میرا اللہ کافی ہے۔" اس کا انداز شیر افگن کو تپا گیا تھا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو۔ تم کیا دنیا میں نہیں رہتی ہو؟"

"میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ مجھے فرق نہیں پڑتا اس کی دوسری شادی سے' اس کی زندگی میں ایک اور عورت آگئی تو کیا۔"

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ جو ملگجے کپڑوں میں ہمیشہ کی طرح کمرہ بند کیے بیٹھی تھی۔

*_*_*

رشنا کو جب اس کے بارے میں پتا چلا تھا تو وہ اس سے ملنے آئی تھی۔ فلک کو دیکھ کر اسے شاک لگا تھا وہ جیسے ایک پرچھائیں بن کر رہ گئی تھی۔

"کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا فلک؟ اس طرح تو مر جاؤ گی۔" وہ اس کے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارنے لگی تھی۔

"نہیں مروں گی رشنا! میں نہیں مروں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ سلمان... اس طرح کر سکتا ہے۔ وہ تو تم سے بہت محبت کرتا تھا پھر اسے کیا ہو گیا۔" وہ اس کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

"اس کا قصور نہیں ہے رشنا! اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو وہی دیکھ رہا ہے جو اللہ اسے دکھا رہا ہے۔ وہی کر رہا ہے جو اللہ کروانا چاہتا ہے۔ مجھے اپنے حسن' اپنے وجود پر بڑا غرور تھا نا... اللہ نے مجھے میری اوقات دکھائی ہے۔"

رشنا نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

"جانتی ہو رشنا! میرے ساتھ کیا ہوا۔ میں نے سوچا تھا۔ سلمان کو مجھ سے چھیننے والی حسن میں مجھ سے بڑھ کر نہیں تو میرے برابر تو ضرور ہوگی۔ میں یہی سوچ کر اسے دیکھنے گئی تھی فیکٹری میں نے سوچا تھا اس سے کہوں گی۔ سلمان کے بدلے جتنا روپیہ چاہے لے لے اور اگر وہ میری بات نہ مانتی تو میں اس کے چہرے پر تیزاب ڈال دیتی۔ میں نے اسے بلوایا تھا۔ وہ کمرے میں آئی اور میں نے اسے دیکھا۔ جانتی ہو' رشنا وہ کیسی تھی' ایک موٹے اور بھدے جسم والی۔ سیاہ رنگت والی عورت۔ وہ مسکرا رہی تھی اور اس کے ٹیڑھے میڑھے دانت اس کے چہرے کو اور بھی بدصورت کر رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے کو میک اپ کی دکان بنایا ہوا تھا' کوئی بھی مرد اسے دیکھ کر جان سکتا تھا کہ وہ کس کردار کی عورت ہے مگر سلمان کو اس کے چہرے پر کچھ اور نظر آرہا تھا۔ میں پتھر کی ہو گئی تھی اسے دیکھ کر میرے اندر کی ساری آگ پانی کے ایک بھی چھینٹے کے بغیر بجھ گئی تھی۔ میں اس کا چہرہ دیکھ کر جان گئی تھی۔ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ ساری بات نظر کی ہوتی ہے اور اللہ نے مجھ سے وہ چھین لی تھی۔ مجھے لگا تھا۔ کسی نے پوری دنیا کی گندگی میرے وجود پر اچھال دی تھی۔ تب مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں رہا تھا نہ سلمان سے نہ تابندہ سے میں جان گئی تھی۔ اللہ کن کہتا ہے تو چیزیں کیسے ہو جاتی ہیں۔ مجھے پتا چل گیا تھا۔ اللہ دل کیسے پھیر دیتا ہے۔ وہ تو عورت تھی۔ بدصورت سہی مگر عورت تھی۔ اللہ چاہتا تو زمین پر پڑے ہوئے ایک پتھر کے لیے سلمان کے دل میں وہ عشق ڈال دیتا جو اس کے دل میں میرے لیے تھا۔ اللہ نے بتایا ہے مجھے چھبیس' سال تم میرے بغیر رہ سکتی ہو اپنے آقا' اپنے مالک' اپنے معبود کے بغیر تو پھر اس شخص کے بغیر بھی رہ سکتی ہو۔ اگر اللہ کی محبت کے بغیر جی سکتی ہو تو کسی بھی شخص کی محبت کے بغیر جی سکتی ہو۔ ممی پاپا سمجھتے ہیں۔ میرے دماغ پر اثر ہو گیا ہے۔ سلمان کی بے وفائی کی وجہ سے... مجھے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر پھرتے ہیں۔ چھبیس سال اللہ کا نام نہیں لیا تو کسی کو خیال نہیں آیا کہ میں ابنارمل ہوں اب چند ماہ سے اللہ کا نام لے رہی ہوں تو ہر ایک کو میں پاگل کیوں لگنے لگی ہوں۔ تم بتاؤ کیا میں پاگل ہوں؟"

رشنا نے سر جھکا لیا۔ فلک کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اس نے رشنا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پھر وہ خاموش ہو گئی۔ دوبارہ نہیں بولی۔

*_*_*

وہ دریا کے کنارے وہیں آگئی تھی۔ جہاں اس نے اس فقیر کو دیکھا تھا۔ وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ اس کے دل پر جیسے ایک گھونسہ پڑا تھا۔ پتا نہیں اسے کیوں آس تھی کہ وہ وہاں ہو گا۔ اس کے انتظار میں' اسے کچھ بتانے' اس کے اعصاب پر ایک عجیب سی تھکن سوار ہو گئی تھی۔ وہ گڑھا ابھی بھی وہیں تھا اسی طرح پانی اور کیچڑ سے بھرا ہوا۔ وہ اس کے پاس آکر ریت پر بیٹھ گئی تھی۔

"یہاں کیوں بیٹھ گئی ہو فلک؟ اٹھ جاؤ۔" میمونہ نے اسے بیٹھتے دیکھ کر کہا تھا۔

وہ گڑھے کو گھور رہی تھی پھر اس نے اپنا ہاتھ گڑھے میں ڈال کر کچھ کیچڑ بھرا پانی ہاتھ میں لیا تھا۔ اسے یاد آیا تھا اس دن وہ فقیر کس طرح کیچڑ اپنے چہرے اور بالوں پر ملنے لگا تھا۔

"دیکھو۔ میں تو کیچڑ سے نہیں ڈرتا' میں تو گندگی سے خوف نہیں کھاتا جانتا ہوں۔ اس کی نظر اس کیچڑ اور گندگی پر نہیں جائے گی۔ وہ صرف میرے وجود کو دیکھے گا۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے کیچڑ بھرا ہاتھ اپنے چہرے پر ملنا شروع کر دیا۔ میمونہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی تھیں۔

"کیا کر رہی ہو تم فلک؟" وہ حواس باختہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے پرس سے ٹشو نکال کر اس کا چہرہ صاف کرنا چاہا تھا۔ اس نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"رہنے دیں ممی! کچھ دیر تو اس کیچڑ سے میرے چہرے کو سجا رہنے دیں۔" اس نے گھٹنوں میں اپنا منہ چھپا لیا تھا۔

"میں جس کی نظر میں ہوں۔ میرے لیے کافی ہے۔ مجھے جس کی محبت چاہیے مل چکی ہے۔ مجھے اور کسی

ت کی ضرورت نہیں ہے۔"
سے یاد تھا۔ اس دن یہاں اس نے یہی کہا تھا۔
تجھے وجود کی طلب کیوں ہے "ذات" کی چاہ کیوں
ہے؟" کوئی آواز ایک بار پھر لہرائی تھی۔
اب مجھے ذات کی چاہ ہے تو ذات کیوں نہیں
" اس نے اپنے کیچڑ بھرے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ اب
گھن نہیں آرہی تھی۔ اس روز اسے بھکاری
جود سے گھن آئی تھی۔ اب اسے پتا چل رہا تھا کہ
کیچڑ نہیں لگتی۔ گندگی گندگی نہیں رہتی وجود کی
کیسے ختم ہو جاتی ہے۔
ہر ایک کو بھکاری بنا کر رستے میں بٹھایا ہوا ہے۔
ب خود کو مالک سمجھتا ہے۔ جب تک ٹھوکر نہیں
۔ جب تک گھٹنوں کے بل نہیں گرتا۔ اپنی
ت کا پتا ہی نہیں چلتا۔"
لک پھر رونے لگی ہو۔ چلو گھر چلیں۔ میرا تو خیال
یہاں آکر ریلیکس ہو جاؤ گی۔ خوش ہو گی مگر تم
آکر بھی۔۔۔ چلو گھر چلیں۔"
میمونہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا لیا تھا۔ وہ
تھکے قدموں سے ان کے ساتھ چلنے لگی۔ سڑک
ھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا
پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔

۔۔۔۔*

اس کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ کوئی
کائرسٹ اسے نارمل نہیں کر سکا تھا۔ وہ سارا دن
بیٹھتی بیٹھی رہتی جب اذان کی آواز آتی تو کسی
ول کی طرح اٹھ کر نماز پڑھنے لگتی۔ میمونہ اس
بات کرنے کی کوشش کرتیں' اور اس کی باتیں پھر
ایک محور ایک مرکز کے گرد گھومنے لگتیں۔ اللہ'
رب' مالک' آقا' معبود' میمونہ کو لگتا وہ جب تک
باتیں نہیں چھوڑے گی تب تک نارمل نہیں ہو
۔ اس کے سلوٹوں سے بھرے ہوئے کپڑے اور
ری اور میک اپ سے خالی چہرہ انہیں وحشت میں
کر دیتا۔ انہیں وہ پہلے والی فلک یاد آجاتی جس کی
ایک چیز نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ وہ اسے
ار لے جانے کی کوشش کرتیں تو وہ چلانے

لگتی۔ وہ اسے کسی فنکشن میں لے جانا چاہتیں تو وہ کمرہ بند کر لیتی۔

"اس طرح کمرے میں بند رہ کر تم مر جاؤ گی فلک! خود کو اس طرح تباہ نہ کرو کہیں آیا جایا کرو کہیں باہر چلو۔"

انہوں نے ایک دن اس سے کہا تھا۔ وہ خالی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"باہر جانے سے کیا ہو گا ممی؟ کیا مل جائے گا باہر؟" کچھ دیر بعد اس نے تھکے تھکے انداز میں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا تھا۔

"اندر رہ کر اس طرح گھر میں بند ہو کر کیا مل رہا ہے تمہیں؟"

اس کی امی آج بحث کے موڈ میں تھیں۔

"ہاں' کچھ نہیں مل رہا اندر رہ کر بھی مگر باہر جا کر لوگوں کو دیکھ کر وحشت ہوتی ہے۔ میں کہیں چھپ جانا چاہتی ہوں ممی! اس طرح کہ دوبارہ کسی کو نظر آؤں نہ کوئی مجھے دیکھ سکے۔"

اس کا لہجہ اتنا عجیب تھا کہ میمونہ ہول کر رہ گئی تھیں۔

"سلمان کو بھول جاؤ' دفع کرو اسے۔ اس کے لیے کیا جوگ لے لو گی۔" انہوں نے جیسے اسے بہلانے کی کوشش کی تھی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"سلمان! سلمان کو کون یاد کرتا ہے ممی! اس کے لیے کون جوگ لیتا ہے۔ وہ تو انسان ہے انسانوں کے لیے کون جوگ لیتا ہے۔ جوگ تو بس۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی تھی۔

"تم صبر کیوں نہیں کر لیتیں فلک! سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتیں۔" وہ یک ٹک ماں کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"آپ کو کیا پتا ممی! ہر چیز پر صبر نہیں آتا ہر نقصان صبر کرنے والا نہیں ہوتا۔ آپ کو کیا پتا میرے پاس کیا نہیں رہا۔ میرے پاس ایک تنکا تک نہ رہے اور لوگوں کو پوری دنیا مل جائے تو مجھے پروا نہیں پر جب یہ سوچتی ہوں کہ لوگوں کو ممی لوگوں کو "اللہ مل رہا ہے تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ صبر آ ہی نہیں سکتا اور میرے علاوہ

اس وقت سب کے پاس اللہ ہے کوئی محروم ہے تو میں ہوں خالی ہاتھ ہوں تو میں ہوں بد قسمت ہوں تو میں ہوں۔"

وہ ایک بار پھر بچوں کی طرح زارو قطار رو رہی تھی۔ میمونہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہیں۔ وہ جانتی تھیں اب وہ کئی گھنٹے اسی طرح بلند آواز سے روتی رہے گی۔ بال بکھرائے۔ سر پر ہاتھ رکھے' گیلے گالوں' لرزتے وجود' بلند سسکیوں اور آنکھوں میں لہراتی وحشت کے ساتھ وہ فلک کا صرف سایہ لگ رہی تھی۔۔۔ ایک پرانا اور بد صورت سایہ۔

۔۔۔۔*

اس دوپہر سائیکاٹرسٹ کے کلینک سے واپسی پر ممی نے گاڑی کا رخ لبرٹی کی طرف موڑ لیا تھا۔ انہیں کچھ ضروری چیزیں خریدنی تھیں۔ پارکنگ میں گاڑی پارک کرنے کے بجائے انہوں نے باہر ہی سڑک کے ایک کنارے پر گاڑی پارک کر دی تھی۔

"نہیں' مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔" اس نے ممی کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میں گاڑی میں ہی بیٹھتی ہوں۔ آپ کو جو لینا ہے لے آئیں۔"

ممی گاڑی سے اتر کر چلی گئی تھیں۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سڑک پر چلتی ہوئی ٹریفک کو دیکھتی رہی' سڑک پر گاڑیوں کا ایک ہجوم تھا بے تاثر آنکھوں سے کسی روبوٹ کی طرح انہیں دیکھتی رہی۔ پھر اچانک اس نے دس بارہ سال کے چھوٹے سے قد اور دبلے پتلے وجود کے ایک بچے کو پھٹے پرانے کپڑوں اور ٹوٹی ہوئی چپل میں بازو پر کچھ اخبار لٹکائے اپنی گاڑی کی طرف آتے دیکھا تھا۔ وہ بچہ پاس آکر ایک اخبار ہاتھ میں پکڑ کر کھڑکی کے شیشے پر دستک دینے لگا۔ اسے کسی اخبار میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی وہ اس طرح راستے میں اخبار لیا کرتی تھی۔ مگر آج بے اختیار اس نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا تھا۔

"اخبار لے لیں باجی!" اس بچے کی آواز بھی اس کے وجود ہی کی طرح نحیف تھی' وہ اخبار اس کے سامنے لہرا رہا تھا مگر اس کی نظریں گاڑی کے اندر ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔

فلک کو کوئی عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ڈیش بورڈ کے ایک کونے میں اس نے کچھ روپے پڑے دیکھے تھے۔ ممی اکثر اپنی گاڑی میں اوپر تھوڑی بہت رقم اس طرح گلو کمپارٹمنٹ اور ڈیش بورڈ کے اوپر ضرور رکھتی تھیں۔ اس نے وہ روپے اٹھا کر اس بچے کے ہاتھ میں تھما دیے اس نے کچھ حیرانی سے فلک کو دیکھا تھا یوں جیسے اسے فلک سے یہ توقع نہیں تھی۔

"یہ روپے رکھ لو' مجھے اخبار کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے نرم آواز میں اس بچے کو مخاطب کیا تھا۔

"مگر یہ تو بہت زیادہ ہیں۔" بچے کی آواز میں کچھ گھبراہٹ تھی۔

"پھر بھی رکھ لو۔"

اس نے روپے اس کے ہاتھ میں تھما دیے تھے۔ اس بچے کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے ایک چمک ابھری تھی پھر وہ سو کا نوٹ جیب میں ڈال کر کھڑکی سے پیچھے ہٹ گیا۔ فلک نے ایک بار پھر گاڑی کا شیشہ اوپر چڑھا لیا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اس بچے کو دور جاتا دیکھتی رہی۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ نے اس کے پورے وجود کو پسینہ سے شرابور کیا ہوا تھا۔ اسے اس بچے پر ترس آیا تھا۔ نہ جانے کون سی مجبوری اسے اس عمر میں یوں خوار کر رہی تھی۔ بچہ بہت دور چلا گیا تھا مگر اس کی نظریں ابھی بھی اس پر مرکوز تھیں پھر اچانک اس نے بچے کو بھاگ کر سڑک کراس کرنے کی کوشش کرتے دیکھا تھا اور پھر بائیں سمت سے آنے والی گاڑی نے اسے بہت زور سے چند فٹ اوپر اچھال دیا تھا فلک کے حلق سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ وہ اب اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ سڑک پر گزرنے والی ٹریفک نے اسے اس کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ اس نے چند گاڑیوں کو اس جگہ رکتے دیکھا تھا جہاں وہ گرا تھا' پھر فٹ پاتھ پر چلنے والے کچھ لوگ بھی تقریباً بھاگتے ہوئے اس جگہ کی طرف گئے تھے۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔

"کیا بات ہے فلک؟ کہاں جا رہی ہو؟" ممی گاڑی کا

ر اندر بیٹھ رہی تھیں۔
ی! وہاں ایک بچے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا

ہاتھ اٹھا کر گاڑی کے کھلے دروازے سے
کی طرف اشارہ کیا تھا جہاں اب رش
تھا۔ ممی اپنی سیٹ سنبھال چکی تھیں۔
ایکسیڈنٹ ہوتے رہتے ہیں۔ تم بھلا
کیا کرو گی؟" انہوں نے ڈور ہینڈل کو پکڑ کر
والا دروازہ بند کر دیا تھا۔
وہ بچہ۔۔۔ پتا نہیں وہ۔"
س کے حلق میں اٹک گئی تھی۔ ممی نے کار
کر لی تھی۔
نے لوگ ہیں وہاں، لے جائیں گے اسے
ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں وہاں جا کر؟ اور ویسے بھی
ی گھر پہنچنا ہے۔ مسز انور کے گھر جانا ہے ان
ک کا افتتاح ہے۔"
بے یقینی سے ممی کے چہرے کو دیکھتی رہی گاڑی
ک پر دوڑ رہی تھی۔
یا انہیں کچھ محسوس نہیں ہوا؟ کچھ بھی نہیں؟
وں؟ کیا وہ انسان نہیں تھا۔"
ں اس کی سوچوں سے بے خبر اپنی باتوں میں
ف تھیں۔ اس نے اپنے اندر خلا کو ایک بار پھر
ہوئے محسوس کیا تھا۔ "یہ بے حسی ہمارے
ہماری کلاس کا حصہ کیوں بن گئی ہے؟ چوٹ
نے والا اپنا نہ ہو تو کیا اس کی پروا نہیں کرنی
یے۔ میری کلاس مینرز کی بات کرتی ہے ایٹی
ٹ کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے کیا انسانی ہمدردی مینرز
باہر کی کوئی چیز ہے کیا زندگی گزارنے کے لیے
نے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے کا طریقہ آنا ہی
ل ہے؟" سوالات کی ایک بھرمار نے اسے نئے
رے سے گھیر لیا تھا۔
"اور پھر اللہ اتنا دور لگتا ہے تو ہمیں اس بات کا شکوہ
رنے کا کیا حق ہے۔"
اس نے اپنی ماں کے چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ اب بھی
سلسل بول رہی تھیں۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ

رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر اس بچے کا چہرہ آ گیا تھا۔ گاڑی کے ساتھ ٹکرانے کے بعد اچھلتا ہوا اس کا وجود اور ہوا میں لہراتے ہوئے اخبارات اس نے اپنے وجود کو ریت کا ڈھیر بنتے محسوس کیا تھا۔

"ممی! چپ ہو جائیں۔ فار گاڈ سیک چپ ہو جائیں۔ بند کر دیں یہ بہاری باتیں میرا دم گھٹ رہا ہے بس خاموش ہو جائیں۔ یہ سب کچھ مجھے نہ بتائیں۔"

وہ پاگلوں کی طرح کانوں پر ہاتھ رکھ کر یک دم چیخنے لگی تھی۔ میمونہ کچھ خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گئی تھیں۔

"ابھی تو سائیکاٹرسٹ کے ساتھ سیشن کروا کر لائی ہوں اور پھر بھی آدھ گھنٹہ بعد ہی اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔" میمونہ نے مایوسی سے سوچا تھا۔

*_*_*

اگلے کئی دن تک وہ گم صم اپنے کمرے میں قید رہی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود بھی اس بچے کو اپنے ذہن سے محو نہیں کر سکی تھی۔ وہ جیسے اس کے ذہن پر نقش ہو گیا تھا۔ "پتا نہیں اسے کتنی چوٹ آئی تھی پتا نہیں وہ زندہ بھی ہو گا یا۔"

وہ آگے کچھ نہ سوچ پاتی۔ اس دن عصر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنے کمرے کی کھڑکیوں کے پاس رکھی ایزی چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔ کھڑکی کے باہر لان میں مدھم آوازیں ابھر رہی تھیں۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے آواز کو پہچاننے کی کوشش کی تھی پھر اس نے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ آواز اس کے ڈرائیور کی بیٹی رضیہ کی تھی۔ جو ٹوٹے پھوٹے تلفظ کے ساتھ انگلش کا کوئی سبق دہرا رہی تھی۔

"ابو بن ادھم ایک عابد و پرہیزگار شخص تھے۔ ایک رات کو اچانک ان کی آنکھ کھل گئی۔ ان کا کمرہ نور سے روشن تھا۔ انہوں نے ایک فرشتے کو دیکھا جو اپنی سنہری کتاب میں کچھ لکھ رہا تھا۔"

بہت آہستگی سے فلک نے اپنی بند آنکھیں کھول

دی تھیں۔ اس کی سماعتیں اب کھڑکی کے باہر گونجنے والی آواز پر مرکوز تھیں۔ رضیہ "تقریباً" ہر لفظ کو بہت برے طریقے سے ادا کر رہی تھی مگر وہ پھر بھی لفظوں کو پہچان رہی تھی۔

"ابو بن ادھم نے فرشتے سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔" فلک اب سانس تک روک چکی تھی۔ اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ رضیہ اب لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ رک رک کر بول رہی تھی۔

(ابو بن ادھم نے پوچھا کیا اس فہرست میں ان کا نام بھی شامل ہے؟ فرشتے نے نفی میں جواب دیا تو ابو بن ادھم نے درخواست کی کہ ان کا نام ان لوگوں میں شامل کر لیا جائے جو اپنے ساتھی انسانوں سے محبت کرتے ہیں۔)

فلک کو اپنی آنکھوں میں کچھ کرچیاں سی چبھتی محسوس ہوئی تھیں۔

"فرشتے نے ابو بن ادھم کا نام لکھا اور غائب ہو گیا۔ اگلی رات فرشتہ پھر آیا اور اس نے ابو بن ادھم کو ان لوگوں کی لسٹ دکھائی جن سے اللہ محبت کرتا ہے

ابو بن ادھم کا نام اس لسٹ میں سب سے اوپر جگمگا رہا تھا"

رضیہ ایک بار پھر اپنے سبق کو شروع سے پڑھنے میں مصروف تھی۔ اور فلک اندر کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ گالوں پر پھسلتا ہوا گرم پانی اس کی گود میں رکھے ہوئے ہاتھوں پر گر رہا تھا۔

"اور میں تم تک کسی انسان کے لیے کچھ کیے بغیر ہی پہنچنا چاہتی تھی پھر تم رستہ کیسے دکھاتے؟ اور اب اگر میں لوگوں کے ذریعے تم تک آؤں تو کیا تم مجھے مل جاؤ گے؟ کیسے لوگ ہوتے ہیں، اللہ جن سے تو محبت کرتا ہے، جنہیں تو چاہتا ہے، جنہیں تو مل جاتا ہے؟ کیا ابو بن ادھم جیسے لوگ؟ اور ان کی طرح کیسے بنا جاتا ہے؟ اللہ تو بتا ان میں کیا خاص چیز ہوتی ہے۔"

اس کا ذہن جیسے کسی گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔

*_*_*

"باجی! یہ گھر ہے اس کا۔" بالآخر ایک گھر کے سامنے پہنچ کر وہ لڑکا رک ہی گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک جھگی کے دروازے پر دستک دی تھی فلک طائرانہ نظروں سے اس خستہ حال جھگی کا جائزہ لیتی رہی۔ چند لمحوں بعد سترہ اٹھارہ سال کی ایک لڑکی نے دروازہ کھولا تھا۔

"یہ باجی خالہ سے ملنا چاہتی ہیں۔" اس کے ساتھ آنے والے بچے نے جیسے اس کا تعارف کروایا تھا۔ اس لڑکی کے چہرے پر تعجب اور سراسیمگی اکٹھی ابھری تھی وہ بچہ چلا گیا تھا۔

"تم ماجد کی بہن ہو؟" فلک نے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں!" اس لڑکی کا جواب مختصر تھا۔

"میں اندر آ جاؤں؟" فلک نے اس سے اجازت طلب کی تھی۔ وہ ہچکچاتے ہوئے دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

فلک دروازہ پار کر کے اندر آ گئی تھی۔ جھگی کی ہر چیز اپنے مکینوں کی خستہ حالی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ اندر عجیب سی گھٹن اور حبس تھا یوں جیسے وہاں ہوا کا گزر کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ فلک کو بے اختیار اپنا چھ کنال کا گھر یاد آیا تھا۔ اس کا باتھ روم بھی اس کمرے سے زیادہ بڑا تھا۔ لڑکی کی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کہاں بٹھائے۔ سادہ لباس میں ملبوس ہونے کے باوجود وہ اپنے چہرے اور حلیے سے اسے کوئی معمولی عورت نہیں لگی تھی، اس نے کچھ بوکھلاہٹ کے بعد ایک چھلنگا سی چارپائی اس کے سامنے بچھا دی تھی، فلک چارپائی پر بیٹھنے کے بجائے مٹی سے لیپے ہوئے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔ لڑکی جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ پھر کچھ ہچکچاہٹ کے بعد وہ خود بھی فلک کے پاس ہی فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

"تمہاری امی کہاں ہیں؟" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا تھا۔

"وہ کچھ گھروں میں کام کرتی ہیں وہاں گئی ہوئی ہیں۔"

"اور ابو؟"

"انہیں مرے دو سال ہو گئے ہیں۔"

فلک ایک لمحے کو چپ ہو گئی تھی "کتنے بہن بھائی ہو؟"

"تین بہنیں اور دو بھائی۔" اس نے لڑکی کے چہرے پر ایک سائے کو گزرتے دیکھا تھا۔

"ماجد کے مرنے کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ دوسرا بھائی کیا اس سے بڑا ہے؟"

"نہیں وہ سات سال کا ہے۔"

"تم سب سے بڑی ہو؟"

"ہاں باقی دو اماں کے ساتھ لوگوں کے گھر کام کرنے جاتی ہیں۔ میں گھر پر ہوتی ہوں۔ کپڑے سیتی ہوں لفافے بناتی ہوں اور بھی بہت سے کام کرتی ہوں تمہیں کوئی کام کروانا ہے کیا؟"

فلک گم صم اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی آس تھی۔ یوں جیسے۔۔۔ فلک نے اپنا بیگ کھولا تھا پھر ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کچھ روپے ہیں تم اپنی امی کو دے دینا۔ میں دوبارہ آؤں گی۔ تم لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا وہ لڑکی کو ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے نکل آئی تھی۔

اس دن وہ اس بچے کے بارے میں پوچھنے کے لیے اسی سڑک پر آئی تھی۔ سڑک پر اخبار بیچنے والے بچوں سے اس نے اس بچے کے بارے میں پوچھا تھا اور یہ جان کر وہ دل گرفتہ سی ہو گئی تھی کہ وہ بچہ مر چکا ہے۔ "کیا تم مجھے اس کا پتا بتا سکتے ہو؟" فلک نے ایک بچے سے کہا تھا وہ بچہ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اسے اس علاقے میں لے آیا تھا جہاں جھگیوں اور ٹوٹے پھوٹے مکانوں کا پورا جہاں آباد تھا اور پھر وہ ماجد کے گھر پہنچ گئی تھی۔

اپنے گھر واپس آتے ہوئے اسے پہلی بار اپنے گھر کے در و دیوار مانوس نہیں لگ رہے تھے اسے آدھے گھنٹے پہلے دیکھی ہوئی وہ جھگی یاد آ گئی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسے حلق سے دبوچ لیا تھا۔

"لوگ کن کن چیزوں کے بغیر رہ رہے ہیں اور میں۔ مجھے لگتا ہے کہ دنیا میں کسی پر قیامت ٹوٹی ہے تو وہ میں ہی ہوں۔ چھ کنال کے بنگلے میں رہ کر آٹھ آٹھ لاکھ کی گاڑیوں میں پھر کر اپنے وجود کو آسائشوں سے سجا کر اور اپنے پیٹ کو دنیا کی ہر نعمت سے بھر کر آخر مجھے کس اللہ کی تلاش ہے۔ وہ آخر مجھ پر نظر کرے تو کیوں کرے۔ مجھ سے محبت کرے تو کیوں کرے۔ دنیا میں بندہ کسی سے محبت کرے اور جواب میں اپنے محبوب کی محبت چاہے تو وہ اسے خوش کرنے کے لیے کیا کیا کرتا ہے۔ مرد محبت کرے تو تحائف کا ڈھیر عورت کے سامنے لگا دیتا ہے۔ اس کے لیے بے تحاشا روپیہ خرچ کرتا ہے اسے ہوٹلز میں لے کر جاتا ہے۔ وہ کسی چیز کی طرف اشارہ کرے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اسے خرید کر نہ دے۔

عورت مرد سے محبت کرتی ہے تو اس مرد کے اشارے پر چلتی ہے۔ وہ اس سے روپیہ مانگے تو وہ سو جھوٹ بول کر ہر قیمت پر اسے روپیہ دیتی ہے۔

اللہ سے انسان محبت کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اللہ بھی اس سے محبت کرے مگر محبت کے لیے وہ کچھ دینے کو تیار نہیں۔ اللہ کے نام پر وہی چیز دوسروں کو دیتا ہے جسے وہ اچھی طرح استعمال کر چکا ہو یا پھر جس سے اس کا دل بھر چکا ہو۔ چاہے وہ لباس ہو یا جوتا۔ وہ خیرات کرنے والے کے دل سے اتری ہوئی چیز ہوتی ہے اور اس چیز کے بدلے وہ اللہ کے دل میں اترنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے اس پرانے لباس گھسی ہوئی چپل یا ایک پلیٹ چاول کے بدلے اسے جنت میں گھر مل جائے۔ اللہ اس کی دعائیں قبول کرنا شروع کر دے۔ اس کے بگڑے کام سنورنے لگیں۔ وہ جانتا ہے اللہ کو دلوں تک سرنگ بنانا آتا ہے پھر بھی وہ اللہ کو دھوکا دینا چاہتا ہے اور میں میں فلک شیر افگن صرف آنسو بہا کر مصلے پر بیٹھ کر صرف اللہ کا نام لے لے کر اللہ کی محبت حاصل کرنا چاہتی ہوں اس کی نظر چاہتی ہوں مگر اس کے لیے کرنا کچھ نہیں چاہتی۔"

کوئی اس کے دل کو جیسے مٹھی میں لے رہا تھا۔ لاؤنج کے اندر جانے کے بجائے وہ باہر دروازے کے پاس بیٹھ گئی۔ سامنے نظر آنے والا وسیع و عریض لان جیسے اسے ہولا رہا تھا۔ اس نے اپنی قمیص کے دامن کو

پکڑ کر دیکھا تھا۔ لباس سادہ تھا مگر قیمتی تھا۔ اسے یاد تھا چند ماہ پہلے اس نے کراچی سے سلمان کے ساتھ گرمیوں کے ملبوسات کی شاپنگ کی تھی تب ابھی وہ واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اسے اس کپڑے کی قیمت یاد نہیں تھی مگر یہ یاد تھا کہ وہ قیمت ہزاروں میں تھی۔

"یہ توکل ہے؟ یہ قناعت ہے؟ یہ صبر ہے؟ یہ عاجزی ہے؟ اور مجھے چاہیے اللہ۔"

اس کا دل ڈوب گیا تھا۔ قمیص کو اس نے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ پاؤں میں پہنے ہوئے جوتے پر اس کی نظر پڑی تھی۔ اس نے دائیں پیر کا جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ اسے یاد آیا تھا آج وہ جس علاقے سے ہو کر آئی تھی۔ وہاں اس نے بہت سی عورتوں اور بچوں کے پیروں میں معمولی سی چپل تک نہیں دیکھی تھی اور یہ اس جوتے کی قیمت بھلا کیا ہو گی؟ اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی۔ اسے یاد نہیں آیا تھا۔ وہ ہر بار شاپنگ پر جانے پر دو چار جوتے ضرور لیا کرتی تھی۔ اور مہینے میں چھ سات بار وہ شاپنگ پر چلی جایا کرتی تھی۔ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ یہ جوتا اس نے کب خریدا تھا مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ اس کا کوئی جوتا بھی ایک ہزار سے کم نہیں ہوتا تھا۔ اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے جوتا گر گیا تھا۔ وہیں دیوار کے ساتھ پیشانی ٹیک کر اس نے سسکیوں کے ساتھ رونا شروع کر دیا تھا۔ شاید کسی ملازم نے اندر جا کر اس کی ممی کو اطلاع دی تھی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر آئی تھیں۔

"فلک! تم واپس آ گئیں؟ کیا ہوا ہے میری جان؟ کیوں اس طرح رو رہی ہو؟" انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"ممی! آپ کو پتا ہے مجھے اللہ کیوں نہیں مل سکتا۔ میرے اور اللہ کے درمیان خواہشوں کی دیوار ہے۔ آسائشوں کی دیوار ہے۔ میں نے اپنے ارد گرد دنیا کی اتنی چیزیں اکٹھی کر لی ہیں کہ اللہ تو میرے پاس آ ہی نہیں سکتا ابو بن ادھم کو اس کی محبت کی چاہ تھی۔ اسے اس نے اپنی محبت دے دی۔ میری تمنا یہ چیزیں تھیں۔ آسائشات تھیں۔ سلمان تھا۔ مجھے اس نے بس یہ سب کچھ ہی دیا جسے وہ اپنی محبت دے دیتا ہے اسے پھر اور کسی چیز کی خواہش ہی نہیں ہوتی اور جسے دنیا دیتا ہے اس کی خواہش بھوک بن جاتی ہے۔ کبھی ختم ہی نہیں ہوتی ممی ابو بن ادھم جیسے لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں اور میرے جیسے لوگ۔"

وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"کون ابو بن ادھم؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ممی اب پریشان ہو رہی تھیں۔

"ممی! مجھے بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کچھ بھی نہیں جن لوگوں کی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ انہیں سب کچھ مل جاتا ہے۔ میرے جیسے لوگ تو ساری زندگی سمجھنے کی کوشش ہی کرتے رہ جاتے ہیں۔"

"تمہیں پھر دورہ پڑ گیا ہے پھر وہی جنون سوار ہو گیا ہے۔" اس کی ممی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا تھا۔

"یہ جنون نہیں ہے۔ ممی! یہ جنون نہیں ہے۔" وہ یک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ جنون ہے۔" اس نے زمین پر پڑا ہوا جوتا انہیں دکھاتے ہوئے کہا تھا۔ ایک عجیب سی وحشت اس پر سوار ہو گئی تھی۔

"یہ جنون ہے۔" اب وہ اپنی قمیص پکڑ کر انہیں دکھا رہی تھی۔

"یہ لاکھوں کی گاڑیاں جنون ہے۔" اس نے پورچ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "یہ کروڑوں کے گھر جنون ہے۔ آئیں میں آپ کو دکھاؤں اور کیا کچھ جنون ہے۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی انہیں گھر کے اندر لے گئی۔ "یہ کارپٹ جنون ہے جن پر چلتے ہوئے ہمیں لوگوں کے پیروں میں چبھتے ہوئے پتھر اور کانٹے محسوس نہیں ہوتے۔ یہ عالی شان اور قیمتی فرنیچر جنون ہے جن پر بیٹھ کر ہمیں اپنا وجود بھی اتنا ہی عالی شان اور قیمتی لگنے لگتا ہے۔"

وہ لاؤنج میں آ کر چلانے لگی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے فلک۔" ممی اب گھبرا رہی تھیں۔

"ہاں ممی! میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں پاگل ہو گئی ہوں۔ میرے اور آپ جیسے سارے لوگ پاگل ہی

تو ہوتے ہیں ہم لوگوں نے چیزوں سے اتنا عشق کیا ہے کہ اس دنیا میں رہنے والے انسانوں کی زندگی کو عذاب بنا دیا ہے۔ ہم سب پاگلوں نے مل کر۔ آئیں میں دکھاؤں۔ مجھے کن چیزوں نے پاگل بنایا ہے۔" وہ ایک بار پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں لے آئی۔ روتے ہوئے اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے ہوئے پرفیوم ان کی طرف اچھالنے شروع کر دیے تھے۔

"یہ بھی جنون ہے ممی! میرے اور آپ جیسے لوگ اپنے اندر کی بدبو کو چھپانے کے لیے یہ پرفیوم خود پر انڈیلتے رہتے ہیں۔ اپنے چہرے اور وجود کو میک اپ سے رنگتے رہتے ہیں۔" اس نے اب اپنی وارڈ روب کھول کر کپڑے باہر پھینکنے شروع کر دیے تھے۔

"یہ ہے جنون ممی! یہ ابو بن ادھم جیسے لوگ لباس سے جسم کو چھپانے کا کام لیتے ہیں۔ ہمارے جیسے لوگ جسم کو دکھانے کا۔ یہ مہنگے کپڑے پہن کر ہمیں چیتھڑوں میں پھرنے والے لوگ جانور لگتے ہیں۔" اس کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔

"یہ جنون ہے ممی۔" اب اس نے اپنی دراز کھول کر زیور کمرے میں اچھالنے شروع کر دیے تھے۔ "یہ جنون ہے۔ یہاں کتنے لوگ ہیں ممی جو ایک وقت کے کھانے کے لیے صبح سے شام تک جانوروں کی طرح کام کرتے ہیں پھر بھی بہت دفعہ انہیں کچھ کھانے کو نہیں ملتا جو رات کو سوئیں تو انہیں یہ بھی یقین نہیں ہوتا کہ صبح تک جھگی کی ٹپکتی ہوئی چھت ان کے گھر کو گھر رہنے دے گی۔ یا ملبے کا ڈھیر بنا دے گی۔ ماجد جیسے بچوں کے لیے کوئی بچپن سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ ان کی زندگی پیدائش سے مرنے تک صرف بڑھاپا ہوتا ہے اور میرے جیسے لوگ روپیہ صرف زندگی کی بنیادی ضروریات پر ہی خرچ نہیں کرتے پھر انہیں اپنے وجود پر زیور بنا کر لٹکا بھی لیتے ہیں۔ جسم کے ہر حصے پر پاؤں میں انگلیوں میں۔ کلائیوں میں۔ کانوں میں ناک میں گردن میں ماتھے پر سر پر کیا حق پہنچتا ہے ممی! مجھے اور آپ جیسے لوگوں کو یہ ظلم کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ پھر ڈاکے کیوں نہ پڑیں ہم جیسے لوگوں کے گھروں پر دن دہاڑے سڑک پر ہمارا زیور کیوں نہ لوٹا جائے۔"

وہ اب بلک رہی تھی۔ اس کی ممی دم بخود اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر بیڈ روم ریفریجریٹر کھول دیا تھا۔

"یہ چیزیں ہیں ممی! جنہوں نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ ان چیزوں کو کھانے کے بعد ہمیں روٹی کے سوکھے ٹکڑوں سے پیٹ بھرنے والے کیڑے لگتے ہیں انسان نہیں۔"

"یہ سب خدا کی رحمت ہے۔ اس کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہے دے ہمیں دیا ہے تو ہمیں اسے خرچ کرنے کا حق ہے، تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ خدا نے تمہیں ان سب چیزوں سے محروم نہیں کیا۔"

میمونہ پہلی بار بالآخر ہمت کر کے بولی تھیں۔

"ممی! دولت فضل نہیں ہے آزمائش ہے۔ کھانے کی چیزوں سے بھرا ہوا یہ فریج رحمت نہیں ہو سکتا۔ کپڑوں سے بھری ہوئی یہ وارڈ روب رحمت نہیں ہو سکتی جیولری سے بھرے ہوئے یہ دراز اور روپے سے بھرا ہوا یہ لاکر بھی رحمت نہیں ہے۔ یہ گاڑیاں، یہ بنگلے یہ سب کچھ رحمت نہیں ہے۔ فضل نہیں ہے ممی اصراف ہے۔ کمینگی ہے، خود غرضی ہے۔ ذلالت ہے۔ آپ کے اور میرے پاس یہ رحمت اور فضل ہے تو اس گھر کے نوکر ہماری اترن کیوں پہنتے ہیں۔ ٹوٹے ہوئے کوارٹروں میں کیوں رہتے ہیں۔ اس رحمت اور فضل کی حفاظت کے لیے جو گارڈ گیٹ پر کھڑے ہیں۔ وہ ٹوٹی ہوئی سائیکلوں پر گھر کیوں جاتے ہیں۔ اس گھر میں رہنے والے نوکروں کے بچے چیزوں کے لیے کیوں ترستے ہیں، ہم نے اللہ کی رحمت اور فضل میں سے انہیں کیا دیا؟ اپنی اترنیں، بچا ہوا کھانا جھڑکیاں، تنخواہوں میں سے کٹوتی۔ آپ نے کبھی نوکروں کے بچوں سے پوچھا کہ وہ اسکول کس طرح جاتے ہیں۔ اگر پیدل جاتے ہیں تو آپ نے کبھی اپنی ان دس گاڑیوں میں سے کسی ایک پر چند گھنٹوں کے لیے انہیں سفر کرنے دیا۔ اگر اسکول نہیں جاتے تو آپ نے کبھی جاننے کی کوشش کی کہ کیوں نہیں جاتے۔ میں سوچتی ہوں کاش اللہ مجھے کچھ نہ دیتا پھر

میں اس سے یہ سب کچھ مانگتی، مانگنے کا ہی سہی مگر اس کے اور میرے درمیان کوئی رشتہ تو ہوتا چھبیس سال میں ایک بار ہی سہی کبھی میں اس سے کچھ مانگتی تو۔۔۔ اور پھر وہ مجھے وہ چیز دے دیتا تو میں خوش ہو کر اسے اور یاد کرتی۔ اس کا شکریہ ادا کرتی اور اگر وہ میری دعا قبول نہ کرتا تو بھی میں شکر کرتی۔ اس کی رضا پر خوش رہتی اور یہ شکر گزاری، یہ صبر اسے کتنا خوش کرتا۔ ممی! یہ لوگ جو ہمیں کیڑے اور جانور لگتے ہیں، یہ خدا کے نزدیک کیا ہیں کاش آپ کو بھی پتا چل جاتا۔"

وہ اب کارپٹ پر گھٹنوں کے بل گرے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ میمونہ بے بسی سے اس کے پاس کھڑی تھیں اس عمر میں اکلوتی اولاد کو اس طرح خوار ہوتے بھی دیکھنا تھا۔ انہیں بے اختیار رونا آیا تھا۔

۔۔*

اگلے تین ہفتے وہ ہاسپٹل رہی تھی۔ ایک بار پھر وہ نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گئی تھی۔ اس بار پچھلی بار کی نسبت اس کی کیفیت زیادہ خراب تھی۔ جب تک وہ ٹرینکولائزرز کے زیر اثر رہتی۔ سب کچھ ٹھیک رہتا۔ مگر جب بھی وہ ہوش میں آتی، چیخنے چلانے لگتی۔ اس کے سر میں درد ہوتا۔ وہ دم گھٹنے کی شکایت کرتی۔ اس کی بھوک پیاس ختم ہو گئی تھی۔ تین ہفتے بعد آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتی گئی تھی۔ شیر افگن ڈاکٹر سے مشورہ کے بعد اسے گھر لے آئے تھے۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے امریکہ بھجوا دیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ ماحول کی تبدیلی اس کی ذہنی حالت کو بہتر کر دے گی۔

اس صبح میمونہ نے اسے اپنے کمرے سے کچھ بیگز کے ساتھ نکلتے دیکھا تھا وہ ہول گئی تھیں "کہاں جا رہی ہو فلک؟"

"تھوڑی دیر میں آجاؤں گی ممی۔" وہ آج خلاف معمول بہت پر سکون لگ رہی تھی۔

"مگر جا کہاں رہی ہو اور ان بیگز میں کیا ہے؟"

میمونہ کو تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"میری چیزیں ہیں، کسی کو دینے جا رہی ہوں۔"

"کس کو دینے جا رہی ہو؟"

"جن کو ضرورت ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں ممی! ان چیزوں کے بغیر کیسے رہا جاتا ہے، کل رات میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ جن کا دل مومن ہوتا ہے۔ وہ خدا کے نام پر کچھ بھی دے سکتے ہیں۔ کسی ملال کے بغیر، میں دیکھنا چاہتی ہوں ممی! کیا میرا دل مومن کا دل ہے۔ کیا اپنی بہترین اور پسندیدہ چیزیں دوسروں کو دینے پر مجھے ملال ہوتا ہے؟" میمونہ نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی تھیں۔ وہ چلی گئی تھی۔

"وہ جو کرتی ہے، اسے کرنے دو۔ اگر یہ سب کرنے سے وہ ٹھیک ہو سکتی ہے تو یہ سب کچھ مہنگا نہیں ہے۔ دے دینے دو جو دینا چاہتی ہے۔"

اس کے جانے کے بعد انہوں نے گھبرا کر شیر افگن کو فون کیا تھا اور انہوں نے اسے یہ جواب دیا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی تھیں۔

پھر یہ سب کئی ہفتے ہوتا رہا تھا۔ اس نے اپنی تقریباً تمام چیزیں مختلف اداروں کو عطیہ کر دی تھیں۔ وہ روز صبح گھر سے پیدل نکل جاتی، کبھی ایس او ایس ویلیج جا کر پورا دن وہاں بچوں کو پڑھاتی رہتی یا پھر چھوٹے بچوں کو سنبھالتی، کبھی فاؤنٹین ہاؤس جا کر شیزو فرینیا کے مریضوں کی دیکھ بھال کرتی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے ویگنوں میں سفر کرنا سیکھا تھا۔ لوگوں کے ہجوم میں دھکے کھاتے ہوئے سکڑتے سمٹتے ہوئے اپنے لیے جگہ بناتے ہوئے اس نے اس تکلیف کو محسوس کیا تھا، جو اس کے اردگرد نظر آنے والے عام لوگوں کا مقدر تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنے لیے چیزیں خریدنے ان معمولی بازاروں کی چھوٹی چھوٹی دکانوں میں جانے لگی تھی پہلے جن کے تصور سے بھی اس کا دم گھٹتا ہے۔ اپنے وجود کو سر سے پاؤں تک ایک سیاہ چادر سے چھپائے وہ لوگوں کے چہرے حسرت سے دیکھتی ہر چہرے کو دیکھ کر اسے یوں لگتا جیسے اللہ اس سے ہی محبت کرتا ہو گا۔

اس دن اپنے گھر کی طرف آتے ہوئے اسے اچانک کچھ یاد آیا تھا۔ اس نے سڑک پر چلتے ہوئے اچانک پیروں سے چپل اتار کر پیدل گرم سڑک پر چلنا

شروع کر دیا تھا۔ گرم سڑک اور اس پر پڑے ہوئے پتھر اس کے پیروں کے تلووں کو جھلسانے لگے تھے۔ سڑک پر اکا دکا ٹریفک آ رہی تھی۔ وہ گیلی آنکھوں اور جلتے تلووں کے ساتھ دور تک چلتی رہی پھر جب تکلیف اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے چپل پیروں میں پہن لی۔

"اور جب حضور اپنے صحابیوں کو ہدایت دیتے تھے کہ وہ آسائش کو عادت نہ بنائیں اور کبھی کبھار ننگے پاؤں بھی چلیں تو وہ انہیں اس تکلیف سے مانوس کرنا چاہتے تھے جسے میں برداشت نہیں کر سکی اور جو بہت سے لوگوں کا مقدر ہوتی ہے۔"

اسے اپنے پیروں میں اب بھی جلن محسوس ہو رہی تھی اور اب اسے ان لوگوں کے گندے اور ننگے پیروں سے گھن نہیں آ رہی تھی جو کسی جوتے سے بے نیاز سامان کندھوں پر اٹھائے ادھر ادھر جاتے اسے نظر آتے تو اسے وحشت ہوتی۔ گھر آ کر اس نے الماری میں پڑے ہوئے چند آخری جوتے بھی نکال لیے تھے۔

"امینہ! یہ لو یہ جوتے تم پہن لینا۔" وہ جوتے لے کر گھر کے پیچھے سرونٹ کوارٹر گئی تھی اور وہاں اس نے اپنی نوکرانی کے پیروں میں اتنی عقیدت اور عاجزی سے جھک کر وہ جوتے رکھے تھے کہ وہ گھبرا گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی مالکہ سے کچھ کہتی، وہ وہاں سے آ گئی تھی۔

"بی بی کے دماغ کو واقعی کچھ ہو گیا ہے۔"

امینہ نے نئے جوتے اٹھاتے ہوئے ہمدردی سے اپنی مالکہ کے بارے میں سوچا تھا۔

اس دن وہ اچھرہ بازار میں کپڑے کی ایک چھوٹی سی دکان پر گئی تھی۔

"مجھے وہ سوٹ دے دیں جو بہت سستا ہو پھر بھی ہر کوئی اس میں نقص نکال کر ناپسند کرتا ہو اور خریدنے سے انکار کر جائے۔"

دکاندار نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی اس بات سے اسے اس لڑکی کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔ مگر اس کی شکل و صورت اسے اپنا خیال بدلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے ایک سوٹ پیس اس کے سامنے رکھ دیا تھا اس نے کچھ کہے بغیر قیمت ادا کی اور کپڑا اٹھا کر باہر نکل آئی۔

میمونہ اور شیر افگن نے جیسے اس کے حال پر صبر کر لیا تھا۔ ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اب وہ پہلے کی طرح معمولی باتوں پر روتی تھی نہ اس پر ڈپریشن کے دورے پڑتے تھے۔ وہ صبح گھر سے نکلتی اور سہ پہر کو مقررہ وقت پر گھر آجاتی۔ پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں بیٹھ کر قرآن پاک کا انگلش ترجمہ پڑھتی رہتی۔ ان کا خیال تھا آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتی جائے گی اور پھر وہ سلمان سے طلاق لے کر اسے باہر بھجوا دیں گے۔ انہوں نے اس کے منہ سے یہاں آنے کے بعد کبھی سلمان کا ذکر نہیں سنا تھا۔ اس سے کوئی شکوہ اس کی کوئی شکایت اپنا کوئی پچھتاوا وہ انہیں کچھ بھی نہیں جتاتی تھی۔

رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ رمضان کے پہلے جمعے کو وہ صلوۃ التسبیح پڑھنے شہر کے وسط میں واقع ایک جامع مسجد میں آئی تھی۔ ویگن سے اترنے کے بعد مسجد کی طرف آتے ہوئے اس نے فٹ پاتھ پر ایک درخت کے نیچے ایک بوڑھے آدمی کو کچھ روپے گنتے دیکھا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر اس آدمی سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔ وہ آدمی مختلف مالیت کے مڑے تڑے اور میلے کچیلے نوٹ اور سکے فٹ پاتھ پر گن گن کر رکھتا جا رہا تھا۔ ایک بار گننے کے بعد اس نے دوبارہ روپے گننے شروع کر دیے تھے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑی اسے بار بار روپے گنتے دیکھتی رہی۔ وہ یا تو بار بار گنتی بھول رہا تھا یا پھر اس کے روپے کم تھے۔ فلک بے اختیار سی اس کے پاس آ گئی تھی۔

"کیا بات ہے بابا؟" بوڑھے آدمی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیس روپے کہیں گر گئے ہیں میری کل کی دیہاڑی میں سے۔"

فلک نے چند لمحے اس بوڑھے آدمی کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا اور پھر اپنی چادر کے پلو کو کھول کر اس میں بندھے ہوئے روپے نکال لیے تھے پچاس کا

نوٹ تڑوا کر اس نے دس روپے ویگن والے کو کرائے کے طور پر دیے تھے۔ باقی چالیس روپے اس نے پلو میں باندھ لیے تھے۔ اب وہ چالیس روپے اس نے جھک کر اس بوڑھے آدمی کے سامنے رکھ دیے تھے۔

"یہ لیں بابا۔" وہ دھیمے قدموں سے چلتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھ گئی تھی۔ آج وہ پہلی بار بالکل خالی ہاتھ تھی۔ لیکن اسے کوئی رنج نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی واپسی پر اسے چار میل کا فاصلہ پیدل طے کرنا ہوگا۔ وہ بھی روزے کی حالت میں۔ مگر وہ اس چیز کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔

صلوٰۃ التسبیح کی نماز پڑھنے کے بعد وہ مسجد سے باہر نکل رہی تھی۔ جب اچانک بغیر کسی وجہ کے اس کا دل بھر آیا تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کا دل گھر جانے کو نہیں چاہا تھا۔ وہ سیڑھیوں کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی۔ عورتیں مسجد کے اس مخصوص دروازے سے نکل کر جا رہی تھیں وہ گھٹنوں میں سر چھپائے وہیں بیٹھی رہی۔

"تجھے کیا ہوا ہے؟" کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔ وہ ایک بوڑھی عورت تھی جو اس کے سامنے سیڑھی پر کھڑی تھی۔

"پتا نہیں اماں۔" اس نے کہا تھا۔

"کس کے ساتھ آئی ہے؟" اس عورت نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔"

"روتی کیوں ہے؟" اس عورت کی نظر اب اس کے چہرے پر تھی۔

"یہ بھی پتا نہیں۔"

"کوئی بیماری لگ گئی ہے؟" اس عورت کی آواز میں اب تشویش تھی۔

"بیماری نہیں اماں! روگ۔"

"ہائے ہائے! اس جوانی میں روگ لگ گیا۔" اب اس کی آواز میں ہمدردی تھی۔

"روگ جوانی میں ہی لگتے ہیں اماں۔"

"گھر کیوں نہیں جاتی؟"

"گھر ہو تو جاؤں۔"

"گھر چاہیے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟" وہ عورت اب حیران تھی۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس عورت کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تمہیں کیا بتاؤں اماں کیا چاہیے؟"

"تو بتا تو سہی۔" عورت نے اصرار کیا۔

"بتانے سے مل جائے گا کیا؟"

"سب کچھ بتانے سے ہی ملتا ہے۔ نہ بتانے سے کیسے ملے گا۔ مانگنا پڑتا ہے۔ کہنا پڑتا ہے۔ منت کرنی پڑتی ہے، وجود کے نصیب میں ہے بھکاری ہونا بس ذات بھکاری نہیں ہو سکتی۔"

وہ سن ہو گئی تھی۔ ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سے گزر گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر بوڑھی عورت کا چہرہ دیکھا تھا۔

"وجود کے مقدر میں مانگنا ہے "ذات" کا وصف ہی دینا ہے۔ کوئی عشق مانگتا ہے کوئی دنیا اور جو یہ نہیں مانگتا وہ خواہش کا نہ ہونا مانگتا ہے۔"

اس نے بے اختیار اس بوڑھی عورت کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے پوری طاقت سے یوں جیسے وہ غائب ہو جائے گی۔

"تو بتا، تجھے کیا چاہیے؟" پچھلے ایک سال سے جو فقرے رات دن اس کے کانوں میں گونجتے رہتے تھے۔ وہ انہیں سننے میں غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ پورے دو سال بعد اس نے ایک بار پھر وہی کلمات اس عورت کے منہ سے سنے تھے جو دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے اس فقیر نے کہے تھے۔

"ہاں تو بتا، تجھے کیا چاہیے؟" عورت ایک بار پھر سے اس سے پوچھ رہی تھی۔ اس کا پورا وجود کسی پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

"مجھے کل چاہیے۔ مجھے ذات چاہیے۔ مجھے اللہ چاہیے، صرف اللہ چاہیے۔"

وہ کسی ننھے بچے کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر بلکنے لگی تھی۔

"اس سے کہو۔ مجھے دیکھے اس سے کہو۔ مجھ پر نظر کرے، ایک بار ایک لحہ کے لیے، میں دیکھنے کے

قابل نہیں ہوں پر اس سے کہو مجھے دیکھے اسے کہو میرے گندے وجود پر بھی ایک بار اپنی نظر کرے۔ اسے تو ٹھوکر مارنا نہیں آتا۔ اسے تو دھتکارنا نہیں آتا۔ وہ تو فرق نہیں کرتا۔ وہ تو آس نہیں توڑتا۔"

اس نے اب عورت کا ہاتھ چھوڑ کر اس کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"تجھے بنایا ہے اس نے تو کیا تجھے چھوڑ دے گا؟ کبھی ماں میلے میں بچے کی انگلی چھوڑتی ہے اگر چھوٹ بھی جائے تو بچہ اتنا بے قرار نہیں ہوتا جتنی ماں ہوتی ہے۔ پھر اللہ انسان کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ اس کی نظر میں جو ایک بار آجاتا ہے ہمیشہ رہتا ہے۔"

اس نے اس عورت کے منہ سے ایک بار پھر وہی لفظ سنے تھے۔ اس نے سیڑھی سے ٹیک لگالی تھی۔ ایک عجیب سی ٹھنڈک اسے اپنے حصار میں لے رہی تھی۔ بہت گہرا سکون اس کے اندر اترتا جا رہا تھا اس کے آنسو تھم گئے تھے۔

"گھر جا اب اور کیا چاہیے تجھے؟"

اس عورت نے ایک بار پھر اس سے کہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"چلی جاؤں گی اماں! اب واقعی اور کیا چاہیے۔"

بڑبڑاتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول دیں، سامنے سیڑھی پر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ عورت غائب ہو چکی تھی۔ وہ پرسکون انداز میں وہیں بیٹھی رہی اس نے اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

*_*_*

وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ بہت عرصے بعد اس نے آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے وجود کو دیکھا تھا۔ ایک سال نے کتنی بہت سی تبدیلیاں کر دی تھیں۔ ہر چیز میں، باطن میں، ظاہر میں اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے دائیں ہاتھ سے چہرے کے ہر حصے کو چھوا تھا۔ آج کچھ بھی دلفریب نہیں لگ رہا تھا۔ آج پہلے کی طرح اپنا وجود آئینے میں دیکھ کر اس پر سحر نہیں ہو رہا تھا۔ اسے ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا تھا۔

پورے ایک سال بعد وہ آج بیوٹی پارلر گئی تھی۔ ممی کے ساتھ وہ بہت خوش تھیں اس کے نارمل ہو جانے پر ممی نے اس کا فیشل کروایا تھا، ہلکنگ، تھریڈنگ، بلیچنگ وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی رہی تھی۔ اس نے پہلے کی طرح بیوٹیشن کے کام میں بار بار مداخلت نہیں کی تھی نہ ہی کوئی اعتراض کیا تھا۔

بیوٹی پارلر سے نکلتے ہوئے اس نے جسم کے گرد لپٹی ہوئی چادر کو ایک بار پھر اچھی طرح لپیٹ لیا تھا۔ میمونہ کے ماتھے پر کچھ شکنیں ابھری تھیں۔

"کوئی بات نہیں، آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔" انہوں نے خود کو دل ہی دل میں سمجھایا تھا۔

"تم نے اپنی اسکن کا ستیاناس کر لیا ہے۔"

گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے فلک سے کہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک پرسکون مسکراہٹ ابھری تھی۔

"اللہ نے میرے دل کے داغ صاف کر دیے ہیں، چہرے کی مجھے فکر نہیں ہے۔"

میمونہ خاموش رہی تھیں وہ نہیں چاہتی تھیں۔ وہ دوبارہ پہلے جیسی باتیں کرنے لگے۔

اور اب وہ آئینے کے سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی اسی وجود کو جس سے اسے عشق تھا فخر تھا اور اب سب کچھ جیسے دھواں بن کر اڑ چکا تھا۔ عشق بھی، فخر بھی وہ ایک گہری سانس لے کر آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

"فلک! فلک! سلمان آیا ہے۔"

یک دم میمونہ اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ خوشی ان کے پور پور سے چھلک رہی تھی اس نے ایک لمحے کو نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا پھر نظر ہٹالی۔

"جانتی ہوں ممی! کہ وہ آگیا ہے۔ جانتی تھی کہ وہ آجائے گا۔"

"وہ اس عورت کو طلاق دے آیا ہے۔ معافی مانگی ہے اس نے کہتا ہے تمہیں لینے آیا ہے۔" میمونہ نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔

"برا کیا اس نے۔" چند لمحے ماں کا چہرہ دیکھنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

"ٹھیک کیا اس نے بالکل ٹھیک کیا۔ اس عورت کے

ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ تمہیں کیا پتا اس نے کس طرح دونوں ہاتھوں سے اس کا روپیہ لٹایا ہے۔ تم تو ”

میمونہ اشتعال میں بول رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر بڑی ملائمت سے ان کی بات کاٹی تھی۔

”ممی! بس آپ چپ ہو جائیں۔ کچھ نہ کہیں نہ اس عورت کے بارے میں نہ روپے کے بارے میں نہ سلمان کے بارے میں۔“

”وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میمونہ نے اس سے کہا تھا۔

”بھیج دیں اسے۔“ وہ اب بھی اسی طرح پر سکون تھی۔ میمونہ مسکرا کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

پورے ایک سال بعد دروازے سے وہ وجود اندر آیا تھا جسے دیکھ کر اس کی دھڑکن رک جایا کرتی تھی۔ جس کے چہرے سے وہ کوشش کے باوجود نظر نہیں ہٹا سکتی تھی۔ جس کی آواز اس کے ذہن میں نہیں دل میں گونجتی تھی۔ جس سے چند لمحوں سے زیادہ نظریں ملائے رکھنا اس کے لیے بہت دشوار ہو جاتا تھا۔

آج ــــ آج ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ دل دھڑکنا بھولا تھا نہ اس سے نظر ملانی مشکل ہوئی تھی۔ وہ پر سکون انداز میں اسے کمرے میں آتا دیکھتی رہی۔ وہ شرمندہ تھا یہ اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

”السلام علیکم!“ گفتگو میں پہل اس نے کی تھی۔ وہ چونکا تھا۔ وہ ہمیشہ ہیلو کہہ کر مخاطب ہوتی تھی اب چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہیں بول سکا پھر اس نے کچھ جھجکتے ہوئے وعلیکم السلام کہا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ وہ کسی معمول کی طرح صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔

”کیسے ہو؟“ وہ اب حیران ہو رہا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟“ اس نے جواباً پوچھا تھا۔

”بہت اچھی ہوں۔“

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا' سیاہ کاٹن کے لباس میں ملبوس وہ سیاہ ہی رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ بہت دیر تک اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔ اس کا چہرہ خلاف معمول میک اپ سے عاری تھا اور کوئی بہت ہی خاص کیفیت لیے ہوئے تھا۔

”میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ جانتا ہوں۔ میں یہ بات کہنے کا حق نہیں رکھتا' مگر پھر بھی تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ اس سب کے لیے۔ جو میں نے کیا۔ میں نہیں جانتا' میں نے یہ سب کیسے کیا ہے؟ مگر میں۔“ اس نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا تھا۔

”تمہاری جدائی نے مجھے جس چیز سے نوازا ہے۔ اس کے آگے میرے لیے سلمان انصر یا کسی کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ چھبیس سال کے بعد میں نے ایک سال اللہ کے ساتھ گزارا ہے اور اس پورے سال میں میرا دھیان کسی اور طرف گیا ہی نہیں۔ تمہاری طرف بھی نہیں۔ مجھے کوئی دکھ' کوئی افسوس نہیں ہے کہ ایک سال کے لیے تم نے مجھے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ اس ایک سال نے مجھے جو کچھ دیا وہ چھبیس سال نہیں دے سکے۔ میں نے تو اس پورے سال تمہارے بارے میں سوچا ہی نہیں ہے۔ تم کس کے ساتھ تھے۔ کیوں تھے اس سب کا خیال ہی نہیں آیا۔ پھر تم کیوں شرمندہ ہو؟“

وہ بہت دیر تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔ صرف اس کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔

”میرے ساتھ چلو فلک! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔“ فلک نے اسے دیکھا تھا۔

”کیا میرے لیے اس شخص کی اہمیت اس کمرے میں لٹکے ہوئے پردوں' کارپٹ' صوفہ بیڈ' فریج جیسی نہیں ہو گئی۔ چیزیں ہیں تو ہیں نہ ہوں تو نہ سہی اور میں ــــ میں کسی زمانے میں اس شخص سے اتنا عشق کرتی تھی کہ اس کے علاوہ مجھے کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا اور اب مجھے یہ شخص نظر نہیں آرہا۔“

اس نے سوچا تھا اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

”میں چلوں گی لیکن پہلے تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں جس فلک سے تم نے چار سال پہلے شادی کی تھی۔ وہ مر چکی ہے۔ آج تم جسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔ وہ کوئی اور ہے۔ اس فلک کے لیے سب

کچھ تم تھے۔ میرے لیے سب کچھ اللہ ہے۔ اس فلک کے پاس صرف ظاہر تھا۔ میرے پاس صرف باطن ہے۔ وہ تماشا دیکھنا بھی پسند کرتی تھی' بننا بھی۔ مجھے یہ دونوں چیزیں پسند نہیں ہیں۔ وہ سوسائٹی میں زندگی گزارتی تھی۔ مجھے گھر کے اندر گزارنا ہے اسے نہ عیب چھپانا آتا تھا نہ جسم میں دونوں کو چھپانا چاہتی ہوں تم اگر ان سب باتوں کے باوجود مجھے ساتھ لے جانا چاہو تو ٹھیک ہے ورنہ واپس چلے جاؤ اپنی اور میری زندگی تباہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔“

وہ باری باری اپنے سارے مہرے آگے بڑھاتی گئی تھی۔

”مجھے تمہاری کسی بات پر اعتراض نہیں ہو گا۔ صرف تم میرے ساتھ چلو۔“

اس نے سلمان کو کہتے سنا تھا۔ اور وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد سلمان نے ایک انگلش کیسٹ لگا دی تھی۔ وہ بے حد خوش تھا۔ فلک نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ ایک انسان سے محبت ہو جائے تو پھر اس کے بعد بندے کے دل میں کچھ اور نہیں آسکتا اور اگر اللہ سے محبت ہو جائے تو پھر انسان کسی اور سے محبت کرنے کے قابل رہتا ہے؟ وہ بھی کسی انسان سے؟ وجود سے؟ ذات کی چاہ کے بعد وجود کی طلب ختم ہو جاتی ہے اور میرے ساتھ بیٹھا ہوا یہ شخص یہ بات کبھی نہیں جان سکتا کہ اب میرے لیے اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہو گیا ہے۔

میں نے ذات کو چاہا تھا۔ ذات کے بعد وجود کا کوئی رنگ آنکھوں کو بھاتا ہے نہ دل کو قید کرتا ہے۔

اس شخص کو گمان ہے سب کچھ پھر پہلے کی طرح ہو جائے گا۔

اللہ کے آنے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہلے میں اس کے ساتھ زندگی جیتی تھی۔ اب زندگی بسر کروں گی اور یہ شخص ساری عمر اس خوش فہمی میں رہے گا کہ پہلے کی طرح اب بھی میرے لیے یہی سب سے اہم ہے۔ مگر اسے کیا پتا' میں نے اس دروازے کو رستہ روکنے نہیں دیا کم از کم ایک عورت کا تو۔“

وہ گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

جدائی۔
بے بسی ــــ تنہائی۔
آنسو۔
کسی کی آس۔
خواہش۔
عشق لاحاصل
یہ سب کیا ہے؟
جنوں کے راستے اور۔
بے نشاں منزل۔

سلمان انصر اب گانے کی ٹیون کے ساتھ ساتھ سیٹی بجا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر سڑک کو دیکھتے ہوئے فلک کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا تھا۔

شگفتہ محمود کی مرتب کردہ
”خاتون کا دستر خوان“ اور ”کرن دستر خوان“
کے بعد
خوبصورت رنگین تصاویر کے ساتھ پہلی بار چینی
کھانوں کی مکمل کتاب
چائنیز کھانے
قیمت /150 روپے
ڈاک خرچ /16 روپے
منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار کراچی